تاج الشریعہ فاؤنڈیشن
www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

www.muftiakhtarrazakhan.com

معارفِ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

علامہ مولانا محمد عارف قادری مدظلہ العالی

www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

Tajushshariah Foundation, Karachi, Pakistan

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ

دار النقی
بیاد: رئیس المتکلمین حضرت العلام مفتی نقی علی خان قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ عنہ
(والد ماجد امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

نام کتاب: معارفِ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
مصنف: علامہ مولانا محمد عارف قادری مدظلہ العالی
صفحات: 96

ناشر:

www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب چاہا کہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہو چکی انسانیت کو کرامت کا تاج پہنایا جائے تو اس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ آئے تو نظام کائنات میں انقلاب پیدا ہوا، عقل وخرد کے دریچے کھلے، سوچنے سمجھنے کا انداز بدلا، فکر ونظر کے زاویے تبدیل ہوئے، اعمال کی قدریں بدلیں، عرب کے بادیہ نشیں جن کا کردار کبھی ننگ انسانیت تھا، آج وہ رشک قدسیاں ٹھہرے، وہ کیا آئے عالم میں خزاں ندیدہ بہار آگئی، علم وعرفان کے گلشن آباد ہوئے، اسلام وایمان کے گلزار مہکے، رحمت خداوندی کی ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ اس میں نہانے والوں کے تن پاک اور من صاف ستھرے اور پاکیزہ ہو گئے۔

اسلام کی من موہنی تعلیمات اور ستھرے نظام سے جن نفوس میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی، ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اتنی طویل کہ تاریخ نام بنام انہیں شمار بھی نہیں کرسکتی۔ انہیں نفوس زکیہ میں ایک نام حضرت عمر بن خطاب کا ہے جو زمانہ جاہلیت میں قبیلے کے اندر بڑے معزز شمار ہوتے تھے اور اسلام نے انہیں بہت بڑا بنا دیا اتنا بڑا کہ امت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی ان کا ہم سر وہم پلہ نہیں۔

یہ وہی عمر ہیں جو کبھی سخت دل، اجڈ مزاج، کفر کی ناپاک ترین غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پھوٹی آنکھ دیکھنے کو بھی تیار نہیں، بلکہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا عزم بالجزم کر چکے تھے (معاذ اللہ) یہ سب ان کے کفر شدید کا اثر تھا جو ان پر غالب آچکا تھا، لیکن خیر کی فطری قوت جسے کفر نے ڈھانک رکھا تھا، نگاہِ نبوت نے اسے تاڑ لیا، اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے اسلام کے خواہاں بھی تھے، بارگاہ رب تعالیٰ سے ان کے سائل بھی، حضور کی دعا قبول ہوئی اور جب اسلام لائے تو عالم یہ ہو گیا کہ اب عمر اللہ ورسول کے سچے جاں نثار، حضور کے دل کا قرار، رشک باغ و بہار، فخر روزگار، انسانیت کا وقار، اسلام کی سطوت وشوکت، اعدائے دین کے لیے شمشیر خوں خوار و برق بار، عدل وانصاف کا انمٹ نشان، اسلام کی شان کہ قیصر وکسریٰ ان سے لرزہ براندام، نام لے لیا جائے تو یہودیت ونصرانیت سہم جائے، کفر وشرک میں لرزہ پڑ جائے، نفاق تلملا جائے، جہاں سایہ پڑ جائے شیطان وہاں سے رفو چکر ہو جائے، ناریوں میں صف ماتم بچھ جائے، اور نوریوں میں باد بہاری چلنے لگے، عشق ومحبت کے پھول مہکنے لگیں، مسلمانوں میں نیا جوش جذبہ اور ولولہ پیدا ہو جائے، جس دن ایمان لائے اسی دن سے حق کے متوالے کھلے عام کعبہ کی چھاؤں میں آ گئے، نعرۂ تکبیر کا غلغلہ ہوا، بارگاہِ رسالت سے فاروق لقب پایا۔

نام ونسب: آپ کا شجرۂ نسب اس طور پر ہے۔ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی عدوی، آپ کی کنیت ابوحفص ہے۔ ماں کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ہے۔

آپ کی ماں کس کی بیٹی ہیں، اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ مؤرخین کا بڑا طبقہ اس طرف ہے کہ حنتمہ کے باپ کا نام ہاشم بن مغیرہ ہے، جبکہ دوسرے طبقہ کا ماننا ہے کہ حنتمہ کے باپ کا نام ہشام بن مغیرہ ہے۔ اس دوسرے قول کی بنیاد پر آپ کی ماں ابوجہل کی بہن ہوں گی اور ابوجہل آپ کا حقیقی ماموں ہوگا۔ اور پہلے قول کی بنیاد پر حنتمہ ابوجہل کی چچازاد بہن ہوں گی کیوں کہ ہاشم اور ہشام دونوں بھائی ہیں اور مغیرہ کے بیٹے ہیں۔

(اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۳۸۔ الاصابہ ج ۴، ص: ۲۷۹)

علامہ ابو عمر بن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا: جس نے یہ کہا کہ حنتمہ ہشام کی بیٹی ہے۔ (دوسرا قول) بیشک اس نے خطا کی ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور الاصابہ کے انداز بیان سے بھی پہلے قول کی تقویت ثابت ہوتی ہے۔ اور الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ کے مصنف نے صراحۃً پہلے قول ہی کی تائید فرمائی ہے۔

پیدائش اور خاندانی حالات: آپ کی پیدائش واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد ہوئی۔ حضرت عمر کے خاندان کا شمار زمانہ جاہلیت میں اشراف قریش میں ہوتا تھا۔ اس وقت کے کئی اہم عہدے اسی خاندان کے سپرد تھے۔ اگر قریش میں آپس میں یا کسی دوسرے سے لڑائی جھگڑا پیش آجاتا تو صلح اور تصفیہ کے لیے سفارت اسی خاندان کے ذمہ تھی، اور اگر کبھی قریش کو دوسرے کے سامنے اپنی شرافت اور خاندان کی بالادستی ثابت کرنی ہوتی تب بھی اسی خاندان کو آواز دی جاتی، اسی خاندان کے بزرگ جا کر اپنی ذمہ داری کو ادا کرتے اور اپنے نسب کی بلندی و برتری دوسرے لوگوں پر ثابت کرتے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۳۸)

حضرت شمس بریلوی علیہ الرحمہ کا تجزیہ: علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفا میں بیان کردہ آپ کی پیدائش ۱۳ر سال عام الفیل میں ہوئی اور قبول اسلام نبوت کے چھٹے سال ہوا، اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷ر سال تھی۔ اس کا ترجمہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے حاشیہ میں تبصرہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''عام الفیل سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سالِ ولادت ہے اور چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ظاہری عطا ہوئی۔ اس طرح ۶ھ نبوت کو (اعلانِ نبوت کے چھٹے سال) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چھیالیس سال ہوئی۔ پس حضرت عمر ۶ھ نبوت میں ایمان سے مشرف ہوئے تو آپ کی عمر ستائیس سال کس طرح ممکن ہے؟ جب کہ تیرہ عام الفیل آپ کا سال ولادت ہے، آپ کا سن ولادت اگر تیرہ عام الفیل مانا جائے تو بعثتِ سرکار کے وقت آپ کی عمر ستائیس سال ہوئی اور سن ۶ر نبوی کو ستائیس سال نہیں بلکہ ۳۳ر سال ہوئی اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ولادت ۱۶ر عام الفیل کو ہوئی۔

اور بعثتِ نبوی کے وقت آپ کی عمر ۲۷ سال تھی اور سن ٦ نبوی میں آپ تیس سال کے تھے،،(تاریخ الخلفا اردو ص:۱۸۲،حاشیہ)

حلیۂ مبارکہ: آپ کا قد لمبا،جسم فربہ،سر کے بال کافی حد تک جھڑے ہوئے، رنگ کافی گورا مائل بسرخی،مونچھیں لمبی،مونچھوں کے اطراف میں سرخی جھلکتی تھی،رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے،آپ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے،(عموماً آدمی صرف داہنے ہاتھ سے کام کرتا ہے اور بائیں سے نہیں کر پاتا یا بائیں ہاتھ سے کام اچھا نہیں کر پاتا) آپ کی لمبائی اس حد تک تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ کسی جانور پر بیٹھے ہوں۔

(الاصابہ ج ۴،ص:۲۷۹)

بعض حضرات نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گندمی تھا اس کا جواب حضرت امام واقدی نے یہ دیا کہ جس نے آپ کو گندمی کہا ہے اس نے آپ کو قحط سالی کے ایام میں دیکھا ہے۔زیتون کا تیل استعمال کرنے کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہوا اور گندمی دکھائی دینے لگا۔(تاریخ الخلفا ص:۱۰۳)

زمانۂ کفر میں اسلام کے خلاف شدت: حضرت عمر کے خاندانی پس منظر سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ آپ کا خاندان کروفر والا خاندان تھا،جب خاندان جاہ وجلال والا ہو تو اس کے نوجوانوں کا لہو کیوں کر ان کے توانا اور طاقتور جسموں میں ابال نہ کھاتا ہوگا جوان بھی ایسا کہ کارخانۂ قدرت نے جس کے جسم کو شدت وبسالت کے سانچے میں ڈھالا ہو۔ عمر اسلام،بانیٔ اسلام اور مسلمانوں سے دور ونفور تو تھے ہی ساتھ ہی ساتھ سخت دشمن بھی تھے،یہ ان کی شدت عداوت ہی کا تو اثر تھا کہ (معاذ اللہ) بانیٔ اسلام کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے۔

جس دن عمر اسلام لائے اس دن مسلمانوں کو غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔مسلمانوں نے ایک بڑی تنگی کو پار کر کے کشادہ سرزمین کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ”میں اس وقت تک اسلام کو ظاہر نہ کر سکا جب تک حضرت عمر اسلام میں داخل نہ ہوئے“۔(الاصابہ ج ۴،ص:۲۷۹)

اسلام میں داخلہ: حضرت عمر کیسے اسلام لائے اور اس کا سبب کیا رہا اس سلسلے میں تاریخ اسلام کی معتبر کتابوں میں کئی روایات درج ہیں۔ ہم اس روایت پر اعتماد کررہے ہیں جو کتابوں میں درج بھی ہے اور لوگوں کے درمیان مشہور و مقبول بھی۔

قارئین کی ظرافت طبع کے پیش نظر الفاظ علامہ پیر کرم شاہ ازہری کے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شیر دل اور بہادر سردار کے اسلام لانے سے مکہ کی طاغوتی قوتوں پر سکتہ طاری ہو گیا لیکن اسلام کے قلوب واذہان کو مسخر کرنے والی قوتیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز معجزوں کو بروئے کار لانے والی تھیں۔ چند روز میں عالم کفر کی ایک عدیم المثال شخصیت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دست بستہ حاضر ہو کر سر تسلیم خم کرنے والی تھی، چناں چہ تین چار روز بعد خطاب کا جوشیلا بیٹا عمر جو ایک قوی ہیکل، بلند قامت، بے باک مزاج ۲۶ رسالہ نوجوان تھا، گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے ارد گرد وقوع پزیر ہونے والے واقعات پر غور و فکر کر رہا تھا، اسے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ تنہا ایک آدمی کی دعوت نے سارے ماحول کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے، مکہ کی پرامن فضا میں عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں، قبائل میں باہمی ہم آہنگی تہ و بالا ہو رہی ہے، خاندانوں کی ایک دوسرے سے محبت نفرت کا رنگ اختیار کرتی جارہی ہے، بلکہ باپ بیٹوں سے بھائی بھائی سے اور پڑوسی پڑوسی سے بدگمان ہوتا جارہا ہے، جن بتوں کی صدیوں سے پوجا کی جارہی تھی اب ان کی بے بسی اور بے کسی کے افسانے ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں، ہمارے آبا واجداد جن کی دانشمندی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں، اب انھیں گمراہ اور احمق کہا جارہا ہے، عمر اور رتبہ میں چھوٹے لوگ بڑوں پر پھبتیاں کسنے لگے ہیں، اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو ہمارا یہ عظیم اور مقدس معاشرتی نظام دھڑام سے زمیں بوس ہو جائے گا، جو لوگ اس سلسلے میں کوئی مؤثر کردار انجام دے سکتے ہیں انہیں جلد کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا۔

وہ نوجوان اس بات پر بھی حیران و ششدر تھا کہ جو لوگ اس شخص کی دعوت قبول کر

لیتے ہیں ان پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں، انہیں جتنے سنگین نوعیت کے عذاب کے شکنجوں میں کس دیا جائے، وہ کسی قیمت پر اس دین سے اپنا رابطہ منقطع کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ سسک سسک کر جان تو دے سکتے ہیں لیکن اس نبی مکرم کا دامن چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔

طویل غور وخوض کے بعد وہ نوجوان اس نتیجے پر پہنچا کہ اس فتنے پر قابو پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس شخص کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے جس نے یہ سارا فساد برپا کر رکھا ہے لیکن وہ کون ماں کا لال ہے جو اس ذمہ داری کو اٹھا سکے، اس کی نگاہ انتخاب ادھر ادھر سے گھوم پھر کر اپنی ذات ہی پر مرکوز ہو کر رہ جاتی تھی، اسے اپنی سخت جانی، شجاعت اور مستقل مزاجی پر کامل بھروسہ تھا، اپنے عقائد اور نظریات کے ساتھ اسے جو وابستگی تھی، اپنے بتوں سے اسے جو قلبی عقیدت تھی، اپنے معاشرتی نظام کو بچانے کا جو جذبہ اس کے رگ وپے میں بجلی بن کر دوڑ رہا تھا اس نے اسے اس راہ میں ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ کر دیا تھا، وہ اپنے آپ میں وہ دم خم محسوس کرنے لگا تھا جو بنو ہاشم کے غم وغصہ کے طوفانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا تھا

آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس از حد خطرناک مہم کو سر انجام دینے کے لیے اٹھا، اپنی شمشیر براں اپنے گلے میں حمائل کی اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم کر کے وہ اپنے گھر سے نکلا، گرمی کا موسم تھا، دوپہر کا وقت تھا، دھوپ بڑی سخت تھی، گرم لو جسم کو جھلسا رہی تھی لیکن عمر ان تمام چیزوں سے بے نیاز اپنی دھن میں گم آگے بڑھ رہا تھا، راستہ میں ایک قرشی نوجوان نعیم بن عبداللہ سے مڈبھیڑ ہوگئی، نعیم مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا، عمر کے تیور دیکھ کر ان سے صبر نہ ہو سکا، پوچھ لیا عمر کدھر کا قصد ہے؟ عمر نے بڑی رعونت سے جواب دیا کہ اس شخص کا سر قلم کرنے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون چھین لیا ہے اور گھر گھر نفرت کے انگارے دہکا دیے ہیں نعیم نے کہا کہ ادھر بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تیری بہن فاطمہ اور تیرے بہنوئی سعید بن زید

مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے اوسان خطا ہو گئے، آگے بڑھنے کے بجائے اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا وہاں پہنچ کر کواڑ کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو کسی کلام کے پڑھے جانے کی آواز سنائی دی، زور سے دروازے پر دستک دی، اندر سے آواز آئی کون؟ کڑک کر جواب دیا خطاب کا بیٹا عمر، دروازہ کھولو! جب اہل خانہ نے عمر کی آواز سنی تو سہم گئے ان اوراق کو احتیاط سے سنبھال کر رکھ دیا جن پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی تھیں ہمشیرہ نے جا کر دروازہ کھولا اپنی بہن کو دیکھتے ہی عمر بہت غضب ناک ہو کر گرجے اور بولے اے اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو، اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور نیا مذہب قبول کر لیا ہے ہاتھ میں سونٹا تھا اس سے بہن کو پیٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے سر سے خون جاری ہو گیا پھر اپنے بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا جب عمر کی دست درازی حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے زخمی شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔ اے بھائی جتنا تیرا جی چاہتا ہے مجھے مار، میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، لیکن کان کھول کر سن لے میں اپنا دین کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ سارا جسم خون سے لت پت ہے سر کے زخموں سے خون رس رہا ہے اس حالت میں یہ جرأت مندانہ جواب سن کر عمر کا دل پسیج گیا کہنے لگا بہن! مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں، بہن نے بے دھڑک جواب دیا کہ تم مشرک ہو نجس اور ناپاک ہو تم اس صحیفہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اگر تمہیں شوق ہے تو پہلے غسل کر کے اپنے آپ کو پاک کرو تب میں تمہیں وہ صحیفہ پڑھنے کے لیے دے سکتی ہوں عمر اٹھے، غسل کیا بہن فاطمہ نے وہ صحیفہ بھائی کو دیا کھولا تو سامنے سورۂ طٰہٰ تھی پڑھنا شروع کیا ابھی چند آیتیں تلاوت کی تھیں کہ اس کی تاثیر سے سنگ خارہ سے بھی سخت تر دل پانی پانی ہو گیا آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے بے چین ہو کر پوچھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہاں ہیں؟ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بگڑی سنوارنا چاہتا ہوں۔

یہ سارا انقلاب خود بخود رونما نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے پسِ پردہ محبوب رب العالمین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا کی تاثیر کارفرما تھی صرف ایک روز پہلے حضور سرورِ عالم نے اپنے مولیٰ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دست مبارک اٹھا کر التجا کی تھی۔ "اَللّٰھُمَّ أَعِزِّ الإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ" اے اللہ! ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما"

اور جو روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ" اے اللہ! عمر کو مشرف باسلام کر کے اسلام کی مدد فرما"

اس روایت میں صرف حضرت عمر کے لیے دعا فرمائی گئی ہے درحقیقت اس مقبول دعا کی کمند عمر جیسے سخت دل دشمن اسلام کو کشاں کشاں رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں لا رہی تھی، حضور اس وقت دار ارقم میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما تھے، دروازہ بند تھا، اس پر دستک ہوئی، کسی نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ عمر باہر کھڑا ہے، ننگی تلوار گلے میں لٹک رہی ہے، صحابہ جھجکے، دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں، حضرت حمزہ موجود تھے فرمایا: مت ڈرو دروازہ کھول دو اگر عمر اندر داخل ہو کر بارگاہِ مصطفوی کے آداب ملحوظ رکھے گا تو ہم ادب واحترام سے اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر اس کی نیت میں ذرا فتور محسوس ہوا تو اسی کی تلوار اس سے چھین کر اس کا سر اڑا دیا جائے گا اور حضور نے فرمایا: دروازہ کھول دو اللہ تعالیٰ نے اگر اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت دے دے گا۔

چنانچہ دروازہ کھولا گیا دو آدمیوں نے عمر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا یہاں تک کہ وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب پہنچ گیا حضور نے فرمایا: اسے چھوڑ دو انہوں نے چھوڑ دیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھے اور عمر کی چادر پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا:

"اَسْلِمْ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ. اَللّٰھُمَّ اھْدِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ،

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الدِّیْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، اَللّٰھُمَّ اخْرُجْ مَا فِیْ صَدْرِ عُمَرَ مِنْ غِلٍّ وَاَبْدِلْہٗ اِیْمَانًا‘‘۔فرمایا: اے عمر! اسلام قبول کرلے،اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کردے۔اے اللہ! عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرمانا۔اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت بخش۔اے اللہ! عمر کے سینہ میں اسلام کی جو عداوت ہے اس کو نکال دے اور اسکو ایمان سے تبدیل کردے‘‘۔

حضرت عمر کہتے ہیں: میں نے اس کے بعد عرض کی ’’اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللہِ ‘‘ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

حضور نے جب یہ سنا تو فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا حضور کے نعرہ کے بعد تمام مسلمانوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر لگایا کہ سارے مکہ کی گلیاں اور فضائیں اس نعرہ سے گونج اٹھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں: میں جب مشرف باسلام ہوا تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی ’’یَا رَسُوْلَ اللہِ اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ اِنْ مِتْنَا وَاِنْ حُیِّیْنَا ‘‘۔اے اللہ کے پیارے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ ہم مریں یا زندہ رہیں۔

حضور نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم حق پر ہو خواہ تم مرو یا زندہ رہو پھر میں نے عرض کی۔

’’فَفِیْمَ الْخِفَاءُ یَا رَسُوْلَ اللہِ عَلَامَ نُخْفِیْ دِیْنَنَا وَنَحْنُ عَلَی الْحَقِّ وَھُمْ عَلَی الْبَاطِلِ ‘‘اے اللہ کے رسول، پھر ہم کیوں چھپتے ہیں ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں‘‘

حضور نے فرمایا: اے عمر! ہماری تعداد کم ہے اور تم دیکھتے ہو کفار جو ہمارے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔حضرت عمر نے عرض کی: ’’وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَّا یَبْقٰی مَجْلِسٌ

جَلَسْتُ فِیْهِ بِالْکُفْرِ اِلَّا جَلَسْتُ فِیْهِ بِالْاِیْمَانِ" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے تمام وہ مجلسیں جن میں میں کفر کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا اب مسلمان ہونے کے بعد میں ان سب میں بیٹھوں گا۔

پھر ہم دار ارقم سے دو قطاریں بنا کر نکلے ایک قطار کے آگے آگے میں تھا اور دوسری قطار کے آگے حضرت حمزہ تھے یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے، جب قریش نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو ان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا میں نے اپنے ایمان کی خبر کو مشتہر کرنے کے لیے جمیل بن مغمر کو اطلاع دی اور اس نے شور مچا دیا کہ خطاب کا بیٹا صابی یعنی مرتد ہو گیا۔

حضرت صہیب جو سابقین اولین میں سے ہیں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کے واقعات یوں روایت کرتے ہیں:

"وقال صهیب لما اسلم عمر قال یا رسول الله لا ینبغی ان یکتم هٰذاالدین اظهر دینك وخرج معه المسلمون وعمر امامهم معه سیف ینا دی لا اله الا الله محمد رسول الله حتی دخل المسجد وقالت قریش لقداتا کم عمر مسرورا، ما وراءك یا عمر قال ورائی لا اله الا الله محمد رسول الله، فان تحرك احد منکم لا مکنن سیفی منه ثم تقدم اما مه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم یطوف ویحمیه حتی فرغ من طوافه۔

حضرت صہیب فرماتے ہیں: جب حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے عرض کیا یارسول اللہ! اب یہ مناسب نہیں کہ اس دین کو چھپایا جائے حضور اپنے دین کو ظاہر فرمائیے حضور مسلمانوں کی معیت میں دار ارقم سے باہر تشریف لائے حضرت عمر اپنی تلوار لیے آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز میں "لا الٰہ الا اللہ" کا ورد کر رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے، قریش نے کہا کہ عمر آج بڑا خوش نظر آ رہا ہے انہوں نے پوچھا عمر کیا خبر ہے؟ آپ نے فرمایا:

"ورائی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" خبر یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خبردار! تم میں سے کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو میں اپنی تلوار سے تمہیں گھائل کر دوں گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے آگے آگے چلتے رہے حضور نے طواف فرمایا: آپ حضور کی حفاظت کررہے تھے یہاں تک کہ حضور طواف سے فارغ ہوگئے۔

(شرح مواہب اللدنیہ ج ا،ص:۲۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم ترین واقعہ ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "لما اسلم عمر قال جبرئیل للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا محمد لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر" یعنی جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیل امین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ عمر کے مسلمان ہونے سے آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود نے آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر بڑا جامع تبصرہ فرمایا ہے۔ "قال ابن مسعود کان اسلام عمر عزاًوّھجرته نصرا وامارته رحمة واللہ ما استطعنا ان نصلی حول البیت ظاھرین حتی اسلم عمر"

(رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی)

حضرت عمر کا اسلام مسلمانوں کے لیے باعث عزت اور آپ کی ہجرت باعث نصرت اور آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی، بخدا ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم ظاہری طور پر کعبہ کے صحن میں نماز ادا کرسکیں یہاں تک کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کرلیا۔

(شرح مواہب اللدنیہ ج ارص ۲۷۷)

آپ کے ایمان لانے کی تاریخ: ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا اور علمائے محققین کی یہ رائے بھی بیان کی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہ کے تین دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ آپ سے پہلے انتالیس مرد مسلمان ہو چکے تھے۔آپ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔اس سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نبوت کے دوسرے سال حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔لیکن بعض علما کا یہ خیال ہے کہ بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا جب حبشہ کی طرف پہلی ہجرت مکمل ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہمارے نزدیک وہی قول راجح ہے جس کو علامہ ابن حجر وغیرہ محققین کی تائید حاصل ہے۔علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ''مناقب عمر'' کے باب میں تحریر فرمایا:

"روی ابن ابی خیثمة عن عمر لقد رأیتنی وما اسلم مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم الا تسعة وثلا ثون و کملتھم اربعین"۔ابن ابی خیثمہ حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لا چکے تھے اور میں نے اسلام لا کر چالیس کا عدد پورا کیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو جبریئل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

قال فیہ فنزل جبریل وقال یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۶۴﴾ ﴿الانفال ۶۴﴾ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کے بعد حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے،اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔(سیرت الرسول ج ۲،ص:۲۵۸،۲۶۵)

فاروق کیسے بنے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایمان لائے اس وقت حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اعلان نبوت فرمائے ہوئے تقریباً چھ سال کا زمانہ گزر چکا ہے اور چند لوگ ہی اسلام میں داخل ہوئے ہیں جن کی تعداد آپ پڑھ چکے ہیں مسلمانوں کی حالت کافی خستہ ہے گویا کہ وہ کمزوروں کی جماعت ہے مسلمان دبکے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں بعض تو کفار مکہ کے ظلم وستم سے ڈر کر اپنے ایمان کو مصلحتاً چھپائے ہوئے تھے دار ارقم میں چھپ چھپ کر اسلامی ترقی کے منصوبے بنتے اور اللہ جل مجدہ کی تسبیح وتہلیل بھی ہوتی کیا یہ ظلم کی انتہا نہ تھی کہ باطل کے پرستار، ہر قید وبند سے آزاد جہاں چاہیں اپنے باطل مذہب کا نعرہ لگائیں اور خود ساختہ معبودوں کی پوجا کریں، اور خانۂ خدا جو صرف خدا کی عبادت کے لیے خلیل اللہ نے بنایا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت براجمان ہوں اور کعبہ خانۂ خدا ہوتے ہوئے بھی بت خانہ دکھائی دے! مگر کفر وشرک کے ان ٹھیکیداروں کی نظر میں یہ سب کچھ نہ صرف جائز بلکہ عین انصاف تھا۔

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو حالات بدلے اور مسلمان بھی دار ارقم سے نکل کر کعبہ کی چھاؤں میں آگئے، اسی وجہ سے آپ کو فاروق جیسا باوزن اور باوقار لقب حاصل ہوا۔ یہ خطاب انہیں کس نے دیا اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر کو یہ لقب اللہ جل مجدہ اور اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمایا۔

حضرت نزال بن سبرہ فرماتے ہیں: ہم نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا! کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں کچھ بتائیں تو آپ نے فرمایا: ''حضرت عمر ایسے انسان ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے فاروق رکھا ہے اور ان کے ذریعہ اللہ نے حق وباطل میں فرق پیدا فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایک دن میں اپنی مسجد میں بیٹھ کر حضرت جبرئیل کے ساتھ گفتگو کررہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں حاضر ہوئے انہیں دیکھ کر حضرت جبرئیل نے کہا کیا یہ آپ کے بھائی عمر نہیں ہیں؟ میں نے کہا بے شک یہ میرے دینی بھائی ہیں، پھر حضور نے

حضرت جبرئیل سے فرمایا: بتاؤ کیا ان کا آسمان میں بھی کوئی نام ہے؟ جیسا کہ ان کا زمین میں نام ہے اس پر حضرت جبرئیل نے عرض کیا! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ان کا آسمان والا نام زمین والے نام سے زیادہ مشہور ہے، ان کا نام آسمان میں فاروق اور زمین میں عمر ہے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۲، ص: ۲۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر کو فاروق کا لقب کس نے دیا؟ تو آپ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے۔ حضرت ایوب بن موسیٰ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری فرمادیا اور وہ فاروق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ حق و باطل میں فرق واضح فرمادیا''۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۳)

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب میں ایمان لے آیا تو میں نے حضور سے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک ضرور ہم حق پر ہیں۔ تو میں نے عرض کیا حضور یہ چھپنا کیسا؟ پھر ہم دو صف بنا کر نکلے ایک میں آگے آگے میں تھا اور دوسری میں حضرت حمزہ تھے یہ دیکھ کر کفار مکہ کو سخت صدمہ پہنچا، اس سے پہلے انہیں ایسی تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی اور اس دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرا نام فاروق رکھ دیا۔ اس لیے کہ اللہ نے آج اسلام کو ظاہر فرمادیا اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح فرمادیا تھا۔ (تاریخ الخلفاص: ۹۰)

قریش کے لیڈروں سے ملاقات: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہی شیر دل انسان تھے کھلم کھلا اسلام لائے اور اس کے بعد اپنے اسلام کو خوب ظاہر فرمایا اس طور پر کہ ان کا اسلام مکہ میں کسی سے پوشیدہ نہ رہے سب جان لیں کہ خطاب کا بیٹا عمر اب اسلام کی آغوش میں آچکا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ یہ راہ آسان نہ تھی اس کا اپنا خاندانی وقار، ذاتی بہادری وشجاعت اور قریش پر طاری ان کا رعب ودبدبہ سب اپنی جگہ مسلم لیکن وہ جن لوگوں کے مخالف ہوئے تھے یا جس دین کے دشمن بنے تھے اس دین کے پیروکار بھی کوئی معمولی نہ تھے

اور جب بات دین دھرم کی آجاتی ہے تو پھر ٹڈی دل لوگ بھی اپنی پوری طاقت اپنے دین دھرم کی حفاظت اور اس کی سربلندی میں صرف کر دیتے ہیں، اگر چہ ان کا دین باطل ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہاں تو صنادید قریش کا معاملہ تھا جو اپنی مادی طاقت وقوت میں مسلمانوں پر بدرجہا فائق تھے بلکہ ظاہر طور پر ان کا اور مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مئے عشق حقیقی سے سرشار ہوئے تو نتائج سے بے پرواہ ہو گئے بلکہ جان بوجھ کر انہوں نے اس سمت سے آنکھیں موند لیں وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان تھے یا یوں کہہ لیجیے کہ ان کی دوررس نگاہیں اور مضبوط قوت فیصلہ اور فراستِ ایمانی انہیں اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ اسلام کے عروج وارتقا کے لیے وہ سب کچھ ناگریز ہے جو عمر کر رہا ہے۔ گو اس راہ کی پیچیدگیوں اور خاراشگاف وادیوں سے وہ بخوبی واقف تھے لیکن وہ اس کے لیے ذہنی وجسمانی طور پر مکمل مستعد تھے۔ اس لیے آخر انہوں نے اس وادی میں قدم رکھ ہی دیا۔ خود فرماتے ہیں:

جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں (ایک جماعت کے نزدیک سگا ماموں اور دوسری جماعت کے نزدیک رشتہ کا ماموں) ابوجہل کے گھر گیا۔ ابوجہل مکہ کا باوقار شخص تھا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ میں نے جواب دیا "میں ابن خطاب ہوں اور میں مسلمان ہو گیا ہوں" اس نے کہا ایسا مت کرو اور دروازہ بند ہی رکھا پھر گھر میں چلا گیا میں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، پھر میں قریش کے ایک دوسرے بڑے لیڈر کے پاس گیا یہاں بھی ہو بہو وہی معاملہ پیش آیا جو ابوجہل کے ساتھ ہوا تھا میں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں دوسرے مسلمانوں پر سختیاں ہوتی رہیں اور مجھ سے کچھ نہ کہا جائے اتنے میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا مسلمان ہونا لوگوں میں مشہور ہو جائے؟ میں نے کہا ہاں میں یہی چاہتا ہوں، وہ بولا جس وقت لوگ خانۂ کعبہ کے گرد بیٹھے ہوں تم فلاں شخص کے سامنے جا کر کہہ دینا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ شخص باقی کام خود بخود کر دے گا۔ وہ افشائے راز میں ماہر ہے۔

میں اس کے پاس پہنچا اور بیان کر دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں! اس نے کہا کیا واقعی تم مسلمان ہو چکے ہو؟ میں نے کہا میں یقیناً مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر کیا تھا اس نے بلند آواز سے صدا لگائی لوگو سنو! خطاب کا بیٹا اپنے آبائی دین سے مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا ہے۔ لوگوں نے جیسے ہی یہ سنا میری طرف ٹوٹ پڑے اور گُھتم گُھتا شروع ہو گئی۔ میں انہیں اور وہ مجھے مار رہے تھے، لوگ میرے گرد جمع ہو گئے، اتنے میں میرے ماموں (ابو جہل) نے کہا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عمر اپنے دین سے پھر گیا ہے تو اس نے ایک پتھر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ لوگو سنو! میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے یہ سنتے ہی لوگ مجھے چھوڑ کر دور ہٹ گئے لیکن مجھے یہ قطعاً پسند نہیں تھا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مار پیٹ ہوتی رہے اور میں خاموش تماشائی بنا رہوں۔ میں ابو جہل کے پاس پہنچا اور کہا یہ لو تم اپنی امان مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں، اس کے بعد میرے ساتھ بھی مار پیٹ کا سلسلہ چلتا رہا۔ میں مارتا بھی اور پٹتا بھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا۔

(اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۱، تاریخ الخلفا ص: ۸۹)

کفار کی بدحواسی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے کفار کس حد تک حواس باختہ ہو گئے تھے اس کا اندازہ سورۂ ص کی آیت ۵ "أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَّاحِدًا" کی تفسیر سے کریں۔

مفسر قرآن پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو کفار کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی ان کی پریشانی اور اضطراب کی حد نہ رہی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کو مشورہ کے لیے طلب کیا پچیس کے قریب اکابر قوم اکٹھا ہوئے اور حالات کی تبدیلی اور سنگینی پر تبادلۂ خیال کرنے لگے، ولید عمر میں سب سے بڑا تھا اس نے مشورہ دیا کہ چلو ابو طالب کے پاس چلیں اور اسے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائے چناں چہ سب اکابر ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کی انہوں نے حضور علیہ

الصلوۃ والسلام کو بلایا اور انہیں سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اَفَلَا اَدْعُوهُمْ اِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ “ اے چچا کیا میں اپنی قوم کو اس بات کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی خیر وفلاح ہے۔ ابو طالب نے پوچھا وہ کون سی دعوت ہے؟ حضور نے فرمایا: میں انہیں ایک کلمہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر یہ اس کو قبول کرلیں تو عرب وعجم میں ان کی فرماں روائی ہوگی ” قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ مَا هِيَ وَاَبِيْكَ لَنُعْطِيَكَهَا وَعَشَرَ اَمْثَالِهَا “ ابوجہل نے کہا تیرے باپ کی قسم وہ کون سا کلمہ ہے ہم صرف ایک کلمہ نہیں بلکہ اس طرح کے دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں ” قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَامُوْا مِنْ عِنْدَهٗ غِضَابًا (ابن کثیر) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم صرف یہ مان لو ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ “ یہ سنتے ہی بڑے غضب ناک ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ”اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا “ ان کے نزدیک یہ بات ناممکن تھی کہ ایک خدا کائنات کی تمام چیزوں کے بے شمار احوال اور ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے انہوں نے بہت سے خدا بنا لیے تھے اور ہر ایک کو زندگی کا ایک ایک شعبہ تفویض کر دیا تھا۔

ان کے ذہن میں خدا کا کتنا ناقص تصور تھا وہ اپنی طرح اس کی قوتوں کو بھی محدود تصور کرتے تھے، لیکن وہ خدا جو سچا خدا ہے اور جس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں، اس کی قوتیں اور اس کی عظمتیں لامحدود ہیں، اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی ہے اور اپنی حکمت سے ان کی بقا اور نشوونما کے سارے اسباب مہیا فرما رہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں کیا اعتقاد تھا۔ وہ انہیں صفت الوہیت سے متصف سمجھتے تھے۔ وہ انہیں اپنا الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے۔ لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ شہادت دیتے ہیں اور پختہ عقیدہ رکھتے ہیں ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ

اَلْحَمْدُ وَاِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "، ہمارا یہی عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر زندہ رکھے اور اسی پر ہم یہاں سے رخصت ہوں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴، ص: ۲۲۷،۲۲۶)

مسرتیں اور بشارتیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن اسلام میں آجانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا زمین پر فرشی خوشیاں منا رہے تھے تو فلک پر عرشی مسرتوں کے گیت گا رہے تھے۔اس سلسلے میں آپ حضرت ابن عباس وغیرہ کے ارشادات اور تاثرات پہلے پڑھ چکے ہیں۔اس باب میں امام ابن سعد اور امام حاکم نے جو روایت حضرت حذیفہ سے کی ہے وہ اہلِ دل کے دلوں میں عظمت عمر کے پرچم لہرانے کے لیے کافی ہے۔اس روایت سے واضح طور پر مذہب اسلام میں حضرت عمر کی اہمیت اور افادیت عیاں ہوتی ہے۔آپ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے اسلام لانے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آپ کی طرف آرہا ہے وہ دم بدم آپ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی جس دن سے حضرت عمر اسلام لائے لوگ اسلام سے قریب ہوتے چلے گئے۔اور آپ فرماتے ہیں: آپ کی شہادت اسلام کے حق میں اس جانے والے انسان کی طرح ہے جو دم بدم آپ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔یعنی آپ کی شہادت کے بعد اسلام کی مشکلیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔حضرت صہیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام ظاہر ہوا اور کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جانے لگی۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۹۱)

ہجرت: جب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا اور ان پر ظلم وستم کی ساری حدیں کفار مکہ نے پار کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور محبوب کے امتیوں کو ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت ہوئی، پھر مدینہ شریف کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی لیکن ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ہجرت کرنے میں ایک بڑی چیز یہ حائل تھی کہ آدمی کو اپنی زمین جائے داد، مکان، مال ومتاع، اور اہل وعیال سب کو چھوڑ کر جانا پڑتا تھا یہ موقع دل کے لیے بڑا صبر آزما ہوتا تھا اور ہر کس وناکس کی ہمت نہیں کہ وہ اتنا بڑا فیصلہ لے سکے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس دشوار گزار راہ کو بھی آسان

فرما دیا تھا۔ اگر انسان توفیق خداوندی کے مطابق اپنا سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کرلے تو ہجرت کی راہ میں ایک دوسری بڑی دیوار اور رکاوٹ کفار مکہ تھے وہ کسی بھی مسلمان کو مکہ چھوڑ کر باہر نہیں جانے دینا چاہتے تھے، ان کا مقصد تو یہی تھا کہ مسلمانوں کو مار مار کر سیدھا کرتے رہو، ظلم کی چکی میں ان کو پیستے رہو، آخر تنگ آکر خود ہی ایک دن وہ اپنے دین سے منحرف ہوجائیں گے۔

کفار نے اپنے مزعومہ مقصد کے حصول کے لیے راہوں پر نگاہوں کے پہرے دار بٹھا رکھے تھے کہ کہیں کوئی مسلمان ان کے ظلم وستم کی حدود سے باہر نہ چلا جائے پھر بھی مسلمان اللہ ورسول کی خاطر اپنا مال ودولت بھی چھوڑتے اور کفار کی نگاہوں سے بچ بچا کر مکہ سے ہجرت کرتے اگر مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو مدینہ پہنچ کر چین وراحت کی سانس لیتے سب کچھ مکہ میں چھوڑنے کے بعد بھی وہ اپنے فیصلہ پر بڑے خوش ہوتے وہ اپنے دل کو یہ کہہ کر شاد کرتے کہ اگرچہ مال ودولت اور اہل وعیال مکہ میں چھوڑ آئے ہیں لیکن اپنے ایمان کو کفار کے نرغے سے سلامتی کے ساتھ بچا کر لے آئے ہیں بے شک ایمان کی سلامتی ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی مہاجر راستہ میں کفار کے ہاتھ لگ جاتا تو یہ ظالم اسے پکڑ کر واپس مکہ لے آتے اور اسے ایسی ایسی سزائیں دیتے جن کے ذکر سے آج بھی روح انسانیت کانپ اٹھتی ہے اس لیے تمام مسلمان چھپ کر اور کفار کی نگاہوں سے بچ کر رات کی تاریکی میں یا پھر کسی حیلے سے ہجرت کرتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے انوکھا اور نرالا طریقہ اختیار کیا۔

بے نظیر شجاعت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق ہر مہاجر نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی، سوائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، ان کی ہجرت اس طور پر ہوئی کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اپنی تلوار گلے میں لٹکائی، کمان کاندھے پر رکھی اور تیر اپنے ہاتھ میں لیے، چھوٹا نیزہ اپنی کمر کے ساتھ آویزاں کیا اور تمام کروفر کے ساتھ کعبہ میں پہنچے کعبہ کا حال یہ تھا کہ قریش کے سرآوردہ افراد صحن کعبہ میں موجود

تھے آپ نے ان کے سامنے پورے وقار کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف سات چکروں میں پورا کیا، مقام ابراہیم پر آ کر پرسکون نماز ادا کی، پھر آپ کفار کی ایک محفل کی طرف گئے اور بآواز بلند آپ نے فرمایا: تمہارے چہرے تباہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان ناکوں کو خاک آلود کرے، سنو! تم میں سے جو چاہے کہ اس کی ماں اسے روئے، جسے اپنی اولاد کو یتیم اور شریک حیات کو بیوہ کرنا ہو تو وہ وادی کے دوسری طرف آ کر مجھ سے مقابلہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کوئی طاقتور انسان نہ تھا جو آپ کے اس چیلنج کو قبول کرتا۔ لہٰذا آپ مدینہ شریف کی طرف چلے گئے۔

(اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵، الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۲۴۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم تین لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا ایک میں اور دوسرے عیاش بن ربیعہ اور تیسرے ہشام بن عاص، ہم نے طے کیا کہ بنی غفار کے فلاں تالاب پر ہم سب کو جمع ہونا ہے اگر ہم میں سے کوئی ساتھی متعینہ وقت پر نہ پہنچے تو دوسرے ساتھی انتظار کیے بغیر روانہ ہو جائیں گے میں اور عیاش دونوں وقت پر مکان متعین پر پہنچ گئے لیکن ہمارا تیسرا ساتھی ہشام وہاں نہ پہنچ سکا اسے کفار نے آزمائش میں ڈال دیا ہم دو لوگ ہی مدینہ حاضر ہو گئے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں: مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر مدینہ طیبہ آئے، پھر ابن مکتوم پھر حضرت عمر بیس سواروں کے ساتھ آئے، ہم نے حضرت عمر سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کب تشریف لائیں گے؟ آپ نے فرمایا "هُوَ عَلٰى اَثَرِىْ" انشاء اللہ عنقریب آپ بھی آجائیں گے پھر کچھ ہی عرصہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق بھی حاضر ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

غزوات میں شرکت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پروردگار عالم نے جلال بھری طبیعت عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی ترقی اور سربلندی کے لیے آپ پہلے ہی

دن سے فکر مند تھے اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس کے لیے کوشاں بھی تھے۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے آپ نے اپنی پوری عمر وقف کر رکھی تھی۔ اب چاہے وہ زمانہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت اور حیات ظاہری کا زمانہ ہو یا بعدِ وصال کا۔ اس معاملہ میں نہ کبھی آپ نے قدم کو پیچھے کیا اور نہ کبھی کسی سے آپ خوف زدہ ہوئے بلکہ ہر معاملہ میں آپ صف اول میں نظر آئے۔ اگر کبھی کسی مشورہ کی ضرورت پیش آتی تو آپ کا مشورہ کفار کے لیے بڑا ہی سخت اور شدید ہوتا اور یہ سب کفار کے متعلق آپ کی سختی کا نتیجہ تھا۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، بیعت رضوان اور فتح مکہ وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کفار مکہ پر بہت سخت تھے یوم حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر انتخاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جا کر ٹکی تھی کہ حضور انہیں اپنا قاصد بنا کر کفار مکہ کی جانب روانہ فرمائیں لیکن جب حضرت عمر نے کفار کے ساتھ اپنے کشیدہ تعلقات اور پرانی عداوت کا تذکرہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا ارادہ بدلتے ہوئے عمر کی جگہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

غزوۂ بدر اور حضرت عمر: غزوۂ بدر اہل اسلام کے لیے محتاج تعارف نہیں بلکہ مسلمان کا ہر ذی شعور بچہ اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتا ہے اور کیوں نہ رکھے اس لیے کہ اس غزوہ کو اسلام کی ترقی میں نمایاں مقام حاصل ہے، یہ وہ غزوہ ہے جس میں مسلمان اور دشمنانِ اسلام سب نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کی مدد کو مسلمانوں پر اترتے ہوئے دیکھا تھا، یہی وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اعانت کے لیے اپنے فرشتوں کو میدان بدر میں نازل فرمایا تھا، اس پورے غزوہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، آپ کے مشیر خاص بھی تھے اور جاں نثار بھی۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک عظیم کارنامے پر قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴿المجادلۃ ۲۲﴾

جب جنگ شروع ہوئی اور مجاہدین اسلام نے اپنی پوری جواں مردی کے جوہر دکھانے شروع کیے تو مسلمانوں کو نہ تو ان کا نسبی رشتہ راہ خدا میں تلوار چلانے سے روک سکا اور نہ ہی کسی کے ساتھ دیرینہ تعلقات ہی اس راہ میں حائل ہوئے، مسلمانوں کی تلوار کے سامنے جو آیا اسے ایک مشرک اور کافر سمجھ کر قتل کر دیا، باپ، بیٹا، رشتہ دار سمجھ کر چھوڑ نہ دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار سے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو جہنم رسید کیا، تب مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج۱، ص:۴۰)

جنگ بدر کے قیدی: میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہو چکی تھی، مسلمانوں نے جنگ میں جان کی بازی لگا دی تھی، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سہارے میدان مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا، وہ لوگ جن کو نہتا، کمزور اور قلیل سمجھ کر دنیا خاطر میں نہیں لا رہی تھی وہ فاتح بن کر بدر میں اس طرح موجود تھے کہ ان کی تلواروں نے ستر کفار کو موت کے گھاٹ اتار کر جہنم رسید کر دیا تھا جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ اور سردار شامل تھے اور ستر کفار کو اپنے ہاتھوں میں قید کر رکھا تھا باقی کفار جان بچا کر میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے، کفر کا غرور خاک آلود ہو چکا تھا، قوت ٹوٹ چکی تھی لیکن ایک مسئلہ تا ہنوز باقی تھا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، آیا ان کا سر قلم کر کے لاشوں کو خاک و خون میں تڑپا کر قصہ ختم کر دیا جائے یا انہیں جان کی خیرات دے کر مستقبل میں ان سے نیک امیدیں وابستہ کر لی جائیں اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے مجلس مشاورت قائم فرمائی۔ہم اسی مجلس کی تفصیلات ہدیہ قائین کرر ہے ہیں۔

حضرت عمر کا مشورہ: بدر کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ، امام طبرانی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا (جن میں حضرت عباس بھی تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں ان کو زندہ رہنے دیں شاید اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، اور آپ سے جنگ کی، آگے بڑھیے ان کی گردنیں اتار دیجیے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ! دیکھیے یہ گھنی لکڑیوں کی وادی ہے اس کو آگ لگا دیجیے۔ عباس نے یہ سن کر کہا تم نے رحم کے رشتے توڑ دیے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لے گئے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بعض صحابہ نے کہا: آپ نے حضرت ابوبکر کا مشورہ قبول کرلیا ہے اور بعض نے کہا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے قبول کرلی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ نے عبداللہ بن رواحہ کا قول پسند کیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے زیادہ رقیق ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے حتی کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ ﴿ابراہیم ۳۶﴾

جو میری پیروی کرے وہ میرے طریقہ پر ہے اور جس نے نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے اور تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ﴿المائدة ۱۱۸﴾

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ ﴿یونس ۸۸﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان کے اموال کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔ اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ ﴿نوح ۲۶﴾

ترجمہ: اے رب! کافروں میں سے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ تم لوگ فقرا ہو سو کسی شخص کو گردن مارے بغیر یا فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑنا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا یارسول اللہ! سہل بن بیضا کو چھوڑ دیں کیوں کہ میں نے ان کو اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے (حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں) میں نے اس دن سے زیادہ کبھی اپنے آپ کو خوف زدہ نہیں محسوس کیا مجھے ڈر تھا کہ اس دن آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سہل بن بیضا کے ماسوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل کرنے کا قصد کیا اور میری رائے پر عمل کا ارادہ نہیں فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔ دوسرے دن میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے رو

رہے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے بتلایئے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی رووں گا ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی کوشش کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارے اصحاب کے فدیہ لینے کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ایک درخت تھا آپ نے فرمایا: اس درخت کے قریب مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا تھا۔

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

﴿الانفال ۶۸﴾

ترجمہ: اگر پہلے سے معافی کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے کافروں سے جو فدیہ کا مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے سوا لوگوں میں سے کوئی عذاب سے نہ بچتا کیوں کہ انہوں نے کفار کے خون بہانے کو زیادہ پسند کیا تھا۔ (شرح صحیح مسلم ج ۵، ص ۷ ۳۳۹،۳۳)

قیدیوں کے آزاد کرنے پر اعتراض: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ فعل پسند نہ تھا اور عتاب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۷، ۶۸، ۶۹ نازل فرمائیں۔

جواب: علامہ سعید کاظمی فرماتے ہیں: جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہا دیا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد باقی ماندہ کو قید کر لیا گیا تھا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا تھا، رؤسائے قریش میں سے جو نامور سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ ابن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور منبہ ابن الحجاج کفار کی جنگی

طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے، ان لوگوں کے مارے جانے سے قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی لہٰذا کفار قریش کے صنادید سمیت ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا یہ عمل اس وقت ناپسندیدہ اور آیت کے خلاف ہوتا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کرلیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کرلیا گیا تھا تو پھر یہ عمل کیسے ناپسندیدہ ہوسکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾

﴿الانفال ٦٧﴾

ترجمہ: اے مسلمانو! تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالِ دنیا کی طمع سے بری ہیں۔ ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی اسلام لے آئے اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت ہی کی بنا پر تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبول فرمایا تھا لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں۔

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

﴿الانفال ٦٨﴾

ترجمہ: اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے کیوں کہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی تو پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے بن سکتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور مال غنیمت کو کھا لیتی۔ سلیمان اعمش نے کہا کہ اس بات کو اب ابو ہریرہ کے سوا کون بیان کرسکتا ہے اور جب جنگ شروع ہوئی تو مالِ غنیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نہیں نازل ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی چنانچہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴿الانفال ۶۹﴾

ترجمہ: سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآں حالیکہ وہ حلال وطیب ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوگیا کہ سورۂ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے۔(شرح صحیح المسلم ج۵،ص:۳۳۹۔۳۴۰)

غزوۂ احد اور حضرت عمر: غزوۂ احد جہاں مسلمان اپنے چند ساتھیوں کی اجتہادی خطا کی بنیاد پر جیتی ہوئی جنگ ہار چکے تھے جنگ نے بڑی ہی نازک صورت حال اختیار کرلی تھی، حق کے علم برداروں پر کفر پیہم حملے کررہا تھا، حالات اتنے نازک موڑ پر آ گئے تھے کہ مسلمان خود اپنی تلواروں کی زد میں تھے، پھر بڑی عیاری کے ساتھ ایسی افواہیں پھیلا دی گئیں جن سے مسلمان مایوس ہوکر میدان جنگ سے قدم واپس کھینچنے پر مجبور ہوجائیں ان میں سب سے بڑی بُری اور جھوٹی خبر یہ پھیلا دی گئی کہ (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار نے شہید کرڈالا ہے اس خبر کے پھیلتے ہی کتنے مسلمانوں نے جنگ سے اپنے ہاتھوں کو روک لیا کہ جب ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نہ رہے تو پھر اب ہم لڑکر کیا کریں گے! اس موقع پر جو چند جاں باز اور جاں نثار صحابہ میدان جنگ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد ثابت قدم تھے اور حضور کے سر سے اپنی جانوں کے ذریعہ صدقہ اتار رہے تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

امام واقدی فرماتے ہیں: احد کے دن جب لوگوں کے قدم اکھڑ رہے تھے تو مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضور کے ساتھ ثابت قدم تھے اور انصار میں سے حضرت اُسید بن حضیر، حضرت حباب بن منذر، حضرت حارث، حضرت سعد بن معاذ، حضرت ابودجانہ، حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت سہیل بن حنیف ثابت قدم تھے۔(فتح الباری ج۹،ص:۱۳۲)

ابوسفیان جو احد میں کفر کا سرغنہ اور سردار تھا اور کفار لڑاکوں کی کمان خود اس کے ہاتھ

میں تھی جیت کے نشے میں مست ہاتھی کی طرح قابو سے باہر تھا اور مسلمانوں کے خلاف نعرہ بازی کرر ہا تھا اور اس وقت سب خاموش تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یارائے ضبط نہ رہا اور اس کو سخت الفاظ میں جواب دیا اس کی تفصیل امام بخاری سے سنیں۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں: احد کے روز جب ہماری مشرکین سے ٹکر ہوئی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کر کے فرمایا: تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا خواہ یہ دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں یا یہ دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ گئے ہیں، تم ہماری مدد کو نہ آنا، جب ہماری کافروں سے ٹکر ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیاں کھولے، پائنچے چڑھائے ہوئے پہاڑ پر دوڑ رہی تھیں اور ان کی پائلیں نظر آ رہی تھیں پس یہ دیکھ کر تیر انداز بھی غنیمت غنیمت کہتے ہوئے مال لوٹنے آ گئے جب کہ حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو ہم سے عہد لیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے لیکن انہوں نے ان کی بات نہیں مانی اور نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے منہ پھر گئے اور ان کے ستر آدمی شہید ہو گئے چناں چہ ابوسفیان نے اونچی جگہ پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ کیا اس جماعت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم موجود ہیں تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب مت دو اس نے پھر کہا کہ کیا اس جماعت میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب مت دو اس نے پھر کہا کہ اس جماعت میں ابن خطاب ہے پھر ابوسفیان خود ہی کہنے لگا کہ یہ سارے لوگ مارے جا چکے ہیں اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے یہ سن کر حضرت عمر اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بے اختیار جواب دیا کہ اے خدا کے دشمن تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کرنے کے لیے ان سب کو زندہ محفوظ رکھا ہے، ابوسفیان نے کہا کہ ہُبل بلند ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب دو! لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: یہ جواب دو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ اور بلند ہے، ابو

سفیان نے کہا کہ ہمارے پاس عزی ہے اور تمہارے لیے کوئی عزی نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب دو! لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: اسے جواب دو! کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ اور مددگار ہے تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد)

صلح حدیبیہ اور حضرت عمر: ٦ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں کے ساتھ خدا کے گھر کی زیارت کی آرزو لیے نہایت ہی ذوق وشوق اور جذبات کے تلاطم کے ساتھ مدینہ شریف سے نکلے، قدسی صفات انسانوں کا یہ قافلہ امام الاولین والآخرین کی قیادت میں مکہ شریف سے قریب ہوا تو کفار نے اس قافلہ کو روک لیا اور مشرکین اس بات پر اڑے تھے کہ ہم مسلمانوں کو نہ مکہ میں داخل ہونے دیں گے اور نہ ہی عمرہ کرنے دیں گے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کے ساتھ گفت وشنید کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت حضور کے ساتھ ہے جس کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے سارے جلیل القدر صحابہ سرکار کی معیت میں موجود ہیں اب ان صحابہ میں سے سرکار اپنے نمائندے کا انتخاب فرمانا چاہتے ہیں جو حضور کا نائب بن کر کفار سے بات چیت کر سکے بلاشبہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اسی شخص کا انتخاب عمل میں آئے گا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معتمد خاص بھی ہو، عقل وخرد اور زبان وبیان کی اجتماعی قوتوں کا پیکر جمیل بھی، سیاسی بصیرت کا مالک بھی، وقت اور حالات کی نزاکت کو سمجھ کر بر وقت فیصلہ لینے کا ہنر بھی جانتا ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات فریقین کے نزدیک باوقار اور مسلم بھی ہو، بالفاظ دیگر حضور اس صحابی کو اپنا نمائندہ منتخب فرما سکتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمائندہ بننے کی جملہ صلاحیتیں اور خوبیاں موجود ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی اور سب کا جائزہ لیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور انہیں کفار کی طرف بھیجنے کا منشا ظاہر فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس رائے پر حضرت عمر رضی

اللہ عنہ عرض گزار ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ! آپ کفار کے خلاف میری شدت کی حقیقت جانتے ہیں کہ وہ مجھے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں اور مجھ سے سخت عداوت رکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے جانے سے معاملہ اور بگڑ جائے اور وہ لوگ مجھے قتل کر دیں میرے بجائے ایسا شخص زیادہ موزوں رہے گا کہ جس کے ساتھ کفار مکہ اتنی شدید مخالفت نہ رکھتے ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تدبیر پسند آئی اور آپ نے حضرت عمر کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر کفار کی طرف روانہ فرمایا۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

حدیبیہ میں فراستِ عمر: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کفار کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے گئے، بات چیت کی لیکن بات نہیں بنی، کفار اپنی پرانی ضد پر اڑے رہے اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار نے قتل کر دیا (معاذ اللہ) یہ خبر مشہور ہونے کے بعد حالات کیا بنیں گے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیا فیصلہ فرمائیں گے، اس وقت حالات کا تقاضا کیا ہوگا، یہ ساری باتیں حضرت عمر نے بغیر کسی کے بتائے ہوئے جان لیں یہ سب آپ کی فراستِ مومنانہ کا اثر تھا اور دوسرے یہ کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے مزاج شناس تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی گفتگو سن کر، یا روے انور کی زیارت ہی سے پہچان لیتے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

خبر مشہور ہوتے ہی حضرت عمر نے سمجھ لیا کہ اب سوائے جہاد کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اگرچہ ابھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے حضرت عمر کو کوئی حکم نہیں ملا تھا لیکن جو حضرت عمر نے سمجھا تھا یقیناً وہی پیغمبر اسلام کا ارادہ بھی تھا جس کی وضاحت بخاری شریف کی آنے والی حدیث سے بخوبی ہوتی ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا حالانکہ یہ بات

صحیح نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو ایک انصاری شخص کے پاس گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت اس پر سوار ہو کر جہاد کرسکیں، جس وقت حضرت عبداللہ گھوڑا لینے گئے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم درخت کے نیچے بیعت لے رہے تھے حضرت عمر کو ابھی تک اس بات کی خبر نہ تھی۔ حضرت عبداللہ نے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کی اور پھر گھوڑا لے کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے تیار ہو رہے تھے اب حضرت عبداللہ نے انہیں خبر دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں سے درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف چل دیے اور حضرت عبداللہ بھی آپ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کرلی تو اصل بات یہ تھی کہ حضرت عبداللہ نے بیعت میں سبقت کی تھی لیکن لوگوں نے اس کو سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ حدیبیہ)

قارئین نے فراستِ عمر کا اندازہ کرلیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مارنے اور مرنے پر اپنے جاں نثاروں سے بیعت لے رہے ہیں ادھر حضرت عمر بغیر کسی حکم اور علم کے جہاد کی تیاری کر رہے تھے۔

فتح مکہ اور حضرت عمر: بعثت سے لے کر ۸ ھ تک اکیس سالہ عرصہ پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لیے بڑا صبر آزما تھا، دعوتِ توحید کو ناکام بنانے کے لیے مخالفین کی مساعی میں جتنی شدت آتی جاتی، داعی الی الحق علیہ الصلاۃ والسلام اور حضور کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ جہاد میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے نظیر عزم واستقلال، اور فرزندانِ اسلام کی سرفروشیوں نے قلیل عرصہ میں باطل کے قشون قاہرہ کو ہر میدان میں رسوا کن ہزیمتوں سے دوچار کردیا، چند سال میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جزیرۂ عرب کے دور افتادہ خطے بھی نورِ اسلام سے جگمگا اٹھے، ایوان کفر وشرک کے

بڑے بڑے ستون خود بخود گرنے لگے، خالد جیسی شخصیتیں جس نے صرف چند سال پہلے احد میں اپنی عسکری عبقریت کے باعث لشکرِ اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا، دوڑ دوڑ کر شمع مصطفوی پر پروانہ وار نثار ہونے لگے، نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کو چند سال پہلے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اب وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ دس ہزار لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو، اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو کفر و باطل کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرے اور اس میں قطار در قطار سجائے ہوئے بتوں کو بکمالِ نفرت وحقارت وہاں سے اکھیڑ کر باہر پھینک دے۔ چناں چہ ہجرت کا آٹھواں سال تھا، رمضان شریف کا برکتوں اور سعادتوں والا مہینہ تھا اور اس کی بیس تاریخ تھی جب مکہ نے اپنے بند دروازے اللہ کے محبوب اور ان کے غلاموں کے استقبال کے لیے کھول دیے۔ (سیرت الرسول ج ۴، ص: ۴۰۲)

ابوسفیان کو عمر کا جواب: سال گزشتہ حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا اس میں موجود شرائط پر کفار مکہ عمل نہ کر سکے اور انہوں نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا، بنوخزاعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے حضور نے ان سے مدد کا وعدہ فرمایا اور غیب داں نبی نے ارشاد فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان تمہارے پاس آئے گا اور معاہدے کی تجدید اور مدت میں اضافہ کرنے کی خواہش کرے گا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۳۱۱)

ابوسفیان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے مظلوم دوستوں کی مدد کے لیے ضرور پہنچیں گے لہٰذا اس نے سوچا کہ حضور مکہ پر حملہ آور ہوں اس سے بہتر یہ ہے کہ خود چل کر ان کی بارگاہ میں معذرت کر لی جائے اور معاہدے کی تجدید کر لی جائے اور مدت میں اضافہ بھی کرا لیا جائے، ابوسفیان مدینہ پہنچا، سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے گھر گیا جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا، ابوسفیان نے اس پر بیٹھنا چاہا، حضرت ام حبیبہ نے بستر کو سمیٹ

کر رکھ دیا اور اپنے مشرک باپ سے فرمایا: تم مشرک اور نجس ہو، نبی کے پاک بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں، ابوسفیان اپنی بیٹی کی گفتگو سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اب ابوسفیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تجدید معاہدہ اور مدت میں اضافہ کے سلسلے میں گفتگو کی، حضور نے کچھ سوالات ابوسفیان سے کیے، اس نے بات بنانے کی کوشش کی اور پھر اپنی سابقہ بات کو دہرایا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاہدے کی تجدید یا مدت کی توسیع سے متعلق کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد ابوسفیان حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ کر بولا کہ آپ اس بارے میں حضور سے میری سفارش کریں اور آپ اپنی طرف سے لوگوں کو امان عطا کریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ "میرا امان دینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے امان کے تابع ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے نامراد ہو کر ابوسفیان حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا، ابوسفیان کی بات سن کر فاروق اعظم نے جو جواب دیا اس جواب کا ایک ایک حرف غیرت ایمانی میں ڈوبا ہوا ہے آپ نے فرمایا! تم یہ امید لے کر میرے پاس آئے ہو کہ میں حضور کی بارگاہ میں تمہاری سفارش کروں ابوسفیان غور سے سنو! خدا کی قسم اگر میں ایک چونٹی کو بھی تمہارے خلاف لڑتا ہوا پاؤں گا تو میں ضرور اس چونٹی کی مدد کروں گا، جو نیا معاہدہ ہمارے تمہارے درمیان قرار پائے اللہ تعالیٰ اسے پرانا اور بوسیدہ بنا دے جو پرانا معاہدہ ہمارے درمیان ہے اللہ تعالیٰ اسے جڑ سے کاٹ دے اور جو وعدے ٹوٹ چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کبھی نہ جوڑے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص: ۱۴، ۳۱۱، ۳۱۱)

فتح مکہ کے لیے عمر کا مشورہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن اپنے حجرۂ مبارکہ سے نکل کر باہر تنہا تشریف فرما ہو گئے صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ اگر حضور تنہا بیٹھے ہوتے تو جب تک سرکار نہ بلاتے صحابہ دور ہی کھڑے رہتے تھوڑی دیر کے بعد حضور نے حکم دیا کہ ابوبکر کو میرے پاس بلا لاؤ؟ حضرت ابوبکر حاضر بارگاہ ہوئے حضور کافی دیر تک ان کے ساتھ رازدارانہ گفتگو فرماتے رہے پھر انہیں اپنی دائیں جانب بٹھا لیا اور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا حضرت عمر بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار نے حضرت عمر کے ساتھ بھی دیر تک سرگوشی فرمائی اس کے بعد حضرت عمر بلند آواز میں گویا ہوئے یارسول اللہ! یہ اہل مکہ ہی کفر کے سرغنہ ہیں انہیں لوگوں نے حضور کو جادوگر، کاہن، جھوٹا اور بہتان تراش کہا ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے بائیں جانب بٹھالیا اور عام لوگ آپ کی اجازت سے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ سرکار نے لوگوں کے سامنے دو مثالیں بیان فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں گھی سے زیادہ نرم تھے یہی حال حضرت ابوبکر کا بھی ہے، پھر سرکار نے اپنا چہرۂ انور حضرت عمر فاروق اعظم کی طرف کیا اور ارشاد فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے اور یہی حال حضرت عمر کا ہے اے لوگو! اب تم لوگ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کا تعاون کرو، مجلس برخاست ہوگئی، لوگ حضرت عمر سے تو ان کی سطوت کی وجہ سے دریافت نہ کر سکے لیکن حضرت ابوبکر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ دونوں کے ساتھ سرکار نے کیا مشورہ فرمایا تھا، تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا حضور نے مکہ پر حملہ کرنے سے متعلق پوچھا تو میں نے عرض کیا حضور قریش آپ کی قوم ہے ویسے جو حضور کی مرضی مبارک ہوگی اسی پر عمل ہوگا مجھے امید تھی کہ شاید سرکار میرے مشورہ کو قبول فرمائیں گے۔ لیکن اس کے بعد جب حضور نے یہی سوال حضرت عمر سے کیا تو آپ نے جواب دیا حضور یہی وہ لوگ ہیں جو کفر کی سرداری انجام دے رہے ہیں، پھر حضرت عمر نے ہر اس بری بات کا تذکرہ کیا جو کفار نے سرکار کے بارے میں کہی تھی، پھر حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ! عرب اس وقت تک ہمارے تابع فرمان نہ ہوگا جب تک اہل مکہ ہمارے ہاتھوں ذلیل نہیں ہو جاتے ہیں۔ اے لوگو! یہ حضرت عمر کے مشورہ کا اثر تھا کہ سرکار نے تمہیں جہاد کا حکم دے دیا تاکہ مکہ فتح کر لیا جائے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۲۱۶)

مہم کو مخفی رکھنے پر عمر کا تقرر: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کی مہم کو

بہت خفیہ رکھنا چاہتے تھے اس کے لیے آپ نے ظاہری انتظام بھی فرمائے اور باطنی بھی، مہم کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ دشمن ہوشیار نہ ہو جائے اور مقابلہ کی تیاری شروع نہ کر دے حضور نے باطنی انتظام بھی فرمایا کہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا "اللّٰھم خذ علی أسماعھم وأبصارھم فلا یرونا إلا بغتۃ، ولا یسمعون بنا إلا فجاۃ ! ان کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دے کہ وہ ہماری آمد کا قبل از وقت پتہ نہ لگا سکیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظاہری انتظام یہ فرمایا کہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی اب نہ کوئی جاسوس مدینہ شریف میں داخل ہو سکے گا، اور نہ ہی مدینہ شریف سے باہر جا سکے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اہم اور حساس مورچے پر نظم ونسق کے ماہر اور بیدار مغز اپنے جاں نثار صحابی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر متعین فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماتحت افراد کو بڑا تاکیدی حکم دیا تھا کہ کوئی اجنبی بغیر ان کی بارگاہ میں پیش ہوئے باہر نہ نکل سکے۔ کس کی مجال تھی کہ حضرت عمر کی حکم عدولی کرتا یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا اور حضرت عمر کی مستعدی، فرض شناسی اور ذمہ داری کو نبھانے کا نتیجہ تھا کہ اسلامی لشکر مدینہ شریف سے مرالظہران تک پہنچ گیا، مرالظہران مکہ مکرمہ سے چند مراحل کے فاصلہ پر ہے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۲۱۷)

عمر کی سختی ابوسفیان کے ساتھ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرالظہران پر پڑاؤ کیا اور آگ روشن کرنے کا حکم دیا پوری وادی آگ سے روشن ہو گئی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان کی آمد سے مسلمانوں کو با خبر فرما دیا تھا، روشنی دیکھ کر ابوسفیان مکہ سے اپنی قوم کے دو سرداروں کے ساتھ مرالظہران پر تفتیش حال کے لیے آیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ کر کوئی اقدام کر پاتا، مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے لے کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر جب اس پر

پڑی تو آپ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن حضرت عباس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ابوسفیان پر بغیر کسی عقد و عہد کے مسلط کر دیا ہے آپ مجھے اس دشمن خدا کا سر قلم کرنے کی اجازت عطا فرمائیں اس پر حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو امان عطا کر دی ہے جب حضرت عمر نے ابوسفان پر بہت زیادہ ملامت کی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اب رہنے بھی دو، اگر ابوسفیان خاندانِ عدی بن کعب کا فرد ہوتا تو آپ اتنی ملامت نہ کرتے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ابوسفیان کا تعلق بنی عبد مناف سے ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے عباس! ایسی بات مت کرو اگر میرا باپ خطاب ایمان لاتا تب بھی تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہوتا کیوں کہ آپ کا ایمان حضور کو زیادہ پسند تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان کو حضرت عباس کے حوالہ کر دیا اور صبح کو ابوسفیان داخل اسلام ہو کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں داخل ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ ج۶ ص:۵۳۸)

فتح مکہ کے بعد بیعت اور عمر: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہو چکے تھے، جاء الحق وزہق الباطل کی ہر طرف گونج سنائی دے رہی تھی، اسی اثنا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ میں حاضر ہیں مکہ کے بڑے، چھوٹے، مرد، عورت سارے لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کرنا چاہتے ہیں، یہ بیعت اسلام کو سچا جاننے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو برحق نبی ماننے کی شہادت تھی، حضور اکرم صفا کے بالائی حصہ پر تشریف فرما تھے اور حضور سے نچلی جانب حضرت عمر حاضر خدمت تھے لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری پر بیعت کی، جب مرد بیعت کر

چکے تو عورتوں کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا بیعت کرنے والی عورتوں میں ہند بنت عتبہ بھی تھیں جس نے اپنے چہرے پر ڈر کی وجہ سے نقاب ڈال رکھا تھا اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے اپنے شفیق چچا حضرت حمزہ کا بدلہ نہ لے لیں، (ہند نے غزوۂ احد میں حضور کے چچا کا کلیجہ چبا لیا تھا) لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے اپنی شان رحمت سے معاف فرما دیا، اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیعت لینے کا حکم دیا حکم پا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کے نائب بن کر حضور کے لیے بیعت لینے لگے، اس موقع پر جب ہند سے بیعت لیتے وقت یہ الفاظ کہلوائے "وَلَا تَقْتُلْنَ اَوْلَادَ کُنَّ" (تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی) تو ہند نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا " قد ربيناهم صغارا حتى قتلتهم أنت وأصحابك ببدر كبارا "۔ یا رسول اللہ! جنہیں ہم نے بچپن میں پالا تھا انہیں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے میدان بدر میں قتل کر دیا "فضحك عمر بن خطاب حتى استغرق" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہنسی آئی کہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ ص:۶۱۶)

فضائل عمر: زبانِ رسالت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیسے کیسے تمغہ جات سے نوازا گیا ہے یہ بات احادیث کریمہ کا مطالعہ کرنے والے انسان پر مخفی نہیں، بعض علماے کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق احادیث کریمہ جمع فرما کر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ہم یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بحر فضائل سے چند قطرے پیش فرما کر قارئین کی تشنگی کو کچھ حد تک دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ابوبكر ثم عمر"

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

مقام ہے۔(تاریخ الخلفاص:۳۴)

احادیث میں عمر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم شان عطا فرمائی اور کتنے فضائل سے انہیں نوازا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ایک حدیث پیش کر رہے ہیں: حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل آئے تھے تو میں نے حضرت جبرئیل سے کہا اے جبرئیل علیہ السلام! میرے سامنے حضرت عمر کے آسمانی فضائل بیان کرو! حضرت جبرئیل نے مجھ سے عرض کیا یارسول اللہ! اگر میں حضرت عمر کے فضائل اتنے سال تک بیان کروں جتنے سال تک حضرت نوح نے تبلیغ فرمائی اور آپ کی تبلیغ کا زمانہ نوسو پچاس سال ہے تب بھی حضرت عمر کے فضائل پورے نہیں ہوسکیں گے اور عمر بایں جلالت شان حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کا نام ہے۔(الغرر فی فضائل عمر)

اب ہم بخاری شریف کی چند احادیث کو بیان کر کے اس عنوان کو مکمل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت حمزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سو رہا تھا دوران خواب میں نے دودھ پیا اور اس کی تازگی ناخنوں سے ظاہر ہو رہی تھی پھر بقیہ دودھ حضرت عمر کو دے دیا لوگوں نے عرض کیا اس دودھ سے کیا مراد ہے؟ حضور نے فرمایا: دودھ سے مراد علم ہے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اندر آنے کی اجازت اس وقت چاہی جب حضور کے پاس قریش کی کچھ عورتیں گفتگو کر رہی تھیں اور گفتگو کے وقت ان کی آواز بلند ہو رہی تھی لیکن جیسے ہی حضرت عمر نے اجازت طلب کی وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور جلدی سے چھپ گئیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر کو آنے کی اجازت عطا فرما دی۔عمر حضور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسکراتے ہوئے پایا، عمر عرض گزار ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کے دندان مبارک تبسم ریز رکھے۔حضور نے (اپنی

مسکراہٹ کا سبب بیان کرتے ہوئے) فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو میرے پاس بیٹھی تھیں لیکن اے عمر! جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو پردے میں چلی گئیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ عورتیں آپ سے زیادہ ڈریں، پھر حضرت عمر نے عورتوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: اے اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نہیں ڈرتیں اس بات پر عورتوں نے جواب دیا ہاں (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رحم دل ہیں) اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سخت گیر اور سخت دل ہو، یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اس بات کو چھوڑ دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب شیطان تمہیں کسی راستہ پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو تمہارے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے آپ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں پایا تو میں نے ایک عورت کو ایک محل میں وضو کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ جواب ملا عمر کا، بس مجھے عمر کی غیرت یاد آ گئی اور میں واپس پلٹ آیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے عرض کیا! حضور میں آپ سے کیسے غیرت کر سکتا ہوں۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب مناقب عمر بن خطاب)

(۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔

(سنن الترمذی کتاب مناقب باب مناقب عمر، مسند احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: گزشتہ امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو عمر بن خطاب انہیں میں سے ہیں۔ (صحیح المسلم کتاب فضائل الصحابہ)

محدث کسے کہتے ہیں اور حدیث پاک میں محدث سے کیا مراد ہے۔اس پر علامہ غلام رسول سعیدی نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ہم یہاں اس پوری بحث کو پیش کررہے ہیں:

حضرت عمر محدث خیر امم: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رشد و ہدایت کے پیکر اور نگاہِ فراست کے مالک تھے،انہوں نے فیضانِ رسالت سے تربیت پائی تھی،حضور پر وحی اترنے کی کیفیت کو دیکھا تھا،رموز قرآن کے محرم اور اسرار وحی سے واقف تھے،اسی وجہ سے تعداد انبیا کے مطابق اور ان کے اوصاف کے مظہر تھے،اسی لیے حضور نے فرمایا تھا کہ میرے تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں تم نے ان میں سے جس کو بھی اپنا مقتدا بنالیا ہدایت پالو گے،سارے صحابہ ہی رسول کے اسوہ اور نبوت کے تعبیر تھے مگر جس کو نوید فراست ملی،جس نے موافقت وحی کا مرتبہ پایا،جس کی زبان الہام وتحدیث کا مرکز بنی وہ عمر فاروق تھے،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔اور ایک مرتبہ فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو نبی نہیں ہوتے تھے مگر صاحب کلام تھے اس امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔(صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار)

محدث کا مفہوم: مفہوم محدث کے بارے میں اہل علم کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔

بعض نے کہا محدث صاحب الہام کو کہتے ہیں،تورپشتی نے کہا محدث وہ شخص ہے جس کی رائے صائب اور ظن صادق ہو،ابو احمد عسکری نے کہا جس کے قلب پر ملاء اعلی سے فیضان ہو اسے محدث کہتے ہیں،بعض نے کہا جس کی زبان ہمیشہ نطق بالصواب کرتی ہو وہ محدث ہے،ابن التین نے کہا محدث صاحب فراست ہوتا ہے،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ملہم بالصواب کو محدث کہتے ہیں،حضرت ابن حجر عسقلانی نے ایک مرفوع روایت سے بتایا محدث کی زبان سے ملائکہ کلام کرتے ہیں،ملا علی قاری نے کہا محدث سے مراد وہ شخص ہے جو کثرت الہام کے سبب درجۂ انبیا سے واصل ہو،ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ محدث وہ ہوتا ہے جس کے قلب ونظر پر ملاء اعلی کا فیضان ہوتا ہے۔

اس کا اجتہاد صحیح اور کلام صائب اور ربانی تائید سے مؤید ہوتا ہے۔

محدث کا مصداق: اس امت میں محدث ہے یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہی ہے کہ ہے اور یقیناً ہے کیوں کہ جب امم سابقہ میں محدث ہوتے تھے تو خیر امم میں محدث کیوں نہ ہوگا، نیز پچھلی امتوں میں کسی ایک رسول کی شریعت کی تفہیم کے لیے تسلسل اور تواتر کے ساتھ انبیاے کرام آتے رہتے تھے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم کردی تو اللہ تعالیٰ نے نبی کی جگہ محدث کو مقرر فرمادیا پس تمام اولیاے محمدیین محدث ہیں لیکن اس گروہ کے سرخیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنھوں نے نطق رسالت سے محدث کا لقب پایا ہے۔

موافقتِ خداوندی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کی تین امور میں موافقت کی ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تین میں حصر کی وجہ ان کی شہرت ہے ورنہ موافقت کی تعداد پندرہ ہے، صاحب ریاض نے کہا: ان میں سے نو لفظی اور چار معنوی اور دو بطور توریہ کے ہیں۔ ابن حجر ہیتمی مکی نے کہا: ایسی آیات سترہ ہیں اور امام سیوطی علیہ الرحمہ نے تتبع کر کے ان کا عدد بیس سے زائد تک پہنچادیا ہے۔

بعض کی تفصیل یہ ہے (۱) ایک مرتبہ مقام ابراہیم کو دیکھ کر حضرت عمر نے کہا: حضور ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ نہ بنالیں؟ تو یہ آیت نازل ہوگئی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴿البقرۃ ۱۲۵﴾

ترجمہ: مقام ابرہیم کو مصلیٰ بنالو۔

(۲) احکام حجاب کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں آپ ازواج کو پردہ کا حکم دیں تو یہ آیت نازل ہوگئی:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــٴَـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴿الاحزاب ۵۳﴾

ترجمہ: جب تم ازواج نبی سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو'' (صحیح البخاری)

(۳) حضور اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس جایا کرتے تھے جب بعض ازواج کو یہ ناگوار لگا تو حضرت عمر نے ان سے کہا: "اگر حضور نے تمہیں طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ حضور کو تم سے بہتر ازواج عطا کرے گا" اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ ﴿التحریم ۵﴾

قریب ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو اللہ انہیں تم سے بہتر ازواج عطا کرے گا۔ (صحیح البخاری)

(۴) اسیران بدر کے بارے میں بعض لوگوں نے فدیہ کی رائے دی اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قتل کی تھی اور اس وقت رائے عمر پر تنزیل ہوگئی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۶۸﴾

﴿الانفال ۶۸﴾

اگر تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا کہ اجتہادی خطا میں مواخذہ نہیں ہوتا تو تم پر تمہارے کیے کی وجہ سے عذاب عظیم ہوتا۔ (صحیح المسلم)

(۵) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں جوئے اور شراب کا دور عام تھا حضرت عمر حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا حضور! ہمیں جوئے اور شراب کے بارے میں ہدایت دیں کیوں کہ یہ مال اور عقل کو ضائع کرنے والی چیزیں ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ ﴿البقرۃ ۲۱۹﴾

یہ آپ سے شراب اور جوئے کا حال پوچھتے ہیں کہیے: ان میں بڑا گناہ ہے۔ (آلوسی)

(۶) ایک دفعہ ایک شخص نے شراب کے نشے میں نماز پڑھا دی اور قرآن غلط پڑھا اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پھر گزارش کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی ﴿النساء ۴۳﴾

نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔(ابوبکر جصاص)

(۷)اس کے بعد حضرت عمر بار بار خدا سے دعا کرتے رہے ”اے اللہ! شراب اور جوئے کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما“ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ ﴿المائدۃ ۹۰﴾

شراب اور جوابت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے، ان سے بچو۔

(سنن ابی داؤد و سنن الترمذی)

(۸) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے انسان کو کیچڑ والی مٹی سے پیدا کیا تو حضرت عمر نے بے ساختہ کہا:

”فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ“ ﴿المومنون ۱۴﴾

چناں چہ انہیں لفظوں سے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۹) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر بار بار کہتے رہے ’حضور! کیا آپ منافق پر نماز پڑھیں گے؟ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴿التوبۃ ۸۴﴾

آپ کبھی بھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔(سیوطی)

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا صحیح ہونا عام منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تبلیغی ضرورت کے سبب بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں تھا اور یہ امر صحیح تھا ورنہ وحی کے ذریعہ حضور کو اس کی نماز جنازہ سے روک دیا جاتا۔ حضور کی اسی نماز کی وجہ سے عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام لے آئے تھے اور اس نماز سے یہی سرکار کا منشا تھا، الغرض عمر کی رائے کا صحیح ہونا حضور کے مقابلہ میں نہ تھا۔ کیوں کہ حضور کا عمل بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں

تھا اور قرآن نے عام منافقین کا حکم بیان کیا ہے۔ (سعیدی)

(۱۰) اسی نماز کے سلسلہ میں حضرت عمر نے عرض کیا: ان کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۞ ﴿المنافقون ٦﴾

ان کے حق میں برابر ہے آپ استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا بے شک اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ابو عبداللہ شیبانی)

(۱۱) میدان بدر میں جانے کے لیے حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا بعض نے منع کیا اور حضرت عمر نے جانے کا مشورہ دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَـكٰرِهُوۡنَ ۞ ﴿الانفال ٥﴾

"تمہارا رب تمہیں گھر سے (بدر کی طرف) لے گیا اور بے شک مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ ناپسند تھا"۔ (طبرانی)

(۱۲) جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی تو حضرت عمر نے کہا:

"سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ" ﴿النور ١٦﴾

"انہیں لفظوں سے یہ آیت نازل ہوگئی۔" (طبرانی)

(۱۳) ابتدائے اسلام میں رمضان کی راتوں کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر سے رات کا روزہ ٹوٹ گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

"اُحِلَّ لَـكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمۡ" ﴿البقرة ١٨٧﴾

اب تمہارے لیے رمضان کی راتیں حلال ہیں۔ (ابن حجر مکی)

(۱۴) ایک اسرائیلی نے حضرت عمر سے پوچھا تمہارے نبی پر وحی کون لاتا ہے:

فرمایا: جبرئیل، کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، فرمایا: جو اللہ، فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے۔ اس جواب کی تائید میں یہ آیت نازل ہوگئی:

مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبۡرِیۡلَ وَمِیۡکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۹۸﴾ ﴿البقرۃ ۹۸﴾

(۱۵) ایک منافق نے حضور کے فیصلہ پر حضرت عمر کے فیصلہ کو ترجیح دی آپ نے اس کو قتل کر دیا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، آپ نے حضور سے عرض کیا: حضور! جو آپ کا فیصلہ نہ مانے وہ مسلمان کب ہے؟ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ ﴿النساء ۶۵﴾

آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان ہی نہیں جو آپ کا فیصلہ نہ مانے۔ (فخر رازی)

(۱۶) ایک مرتبہ حضرت عمر سوئے ہوئے تھے ایک شخص نے بغیر اجازت گھر میں داخل ہو کر آپ کو جگا دیا، آپ نے دعا کی: اے اللہ! بلا اجازت گھروں میں داخلہ کو حرام قرار دے دے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا ؕ ﴿النور ۲۷﴾

"اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کر لو۔" (سیوطی)

ان شواہد سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمر کی زبان وحی وسکینہ کی ترجمان تھی، عمر کی زبان پر جب کوئی کلمہ آیا وہ عین حق وصواب تھا اور ان کی فکر ورائے وحی کے موافق اور کلام الٰہی کے مطابق تھی۔

فراستِ عمر سے اصول اجتہاد کا استخراج: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مقدمات کا فیصلہ اس بالغ نظری اور صحیح فکر کے ساتھ کیا جس سے صرف ان جزوی

معاملوں پر ہی اثر نہیں پڑا بلکہ ان فیصلوں سے فکر و اجتہاد کے اصول معلوم ہوئے اور امت کے لیے استنباط احکام اور استخراج مسائل کی راہیں کھل گئیں۔ ان تمام واقعات کا شمار بہت مشکل ہے۔ البتہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ مطلقہ عورت کو رہائش اور خرچہ ملے گا یا نہیں؟ آپ نے فیصلہ کیا کہ ملے گا۔ اس وقت فاطمہ بنت قیس نے یہ روایت کی کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تیرے لیے کوئی نفقہ اور سکنیٰ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا: ہم کتاب اور سنت کو محض ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا جانے وہ سمجھ نہ سکی یا بھول گئی۔ (ابوبکر جصاص)

اس فیصلہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ خبرِ واحد سے کتاب وسنتِ متواترہ کے حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اکثر احکام اسی اصول سے مستنبط کیے ہیں۔

ملی شعائر کا تحفظ: عہد ابوبکر میں بہت سے قراء اور حفاظ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا: مجھے خوف ہے اس طرح ایک ایک کر کے کہیں سارے حافظ اور قاری فوت نہ ہو جائیں اور قرآن ہمارے درمیان نہ رہے اس لیے آپ تمام قرآن کو جمع کر کے محفوظ کر دیں، حضرت ابوبکر نے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا؟ آپ نے جواب میں کہا: رب کعبہ کی قسم اس کام میں خیر ہے۔ آپ یوں ہی بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ابوبکر کے دل میں بھی وہ روشنی پیدا کر دی جو اس سے پہلے عمر کو عطا کی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عظیم کام کے لیے قراء صحابہ کی ایک جماعت مقرر کی اور تمام قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرا دیا۔ (صحیح البخاری)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ملکوتی زبان اور تعمیری فکر عطا کی تھی،

جس کام کے لیے انہیں محدث اور ملہم بنایا تھا اسی وصف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر حفاظت قرآن کی تحریک کی اور آج جو امت مسلمہ کے ہاتھوں میں صحیفہ قرآن موجود ہے یہ صرف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر صائب اور فکر راسخ کا ثمرہ ہے۔

اوائل عہد فاروقی تک لوگ الگ الگ تراویح پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں امام واحد کی اقتدا میں جمع کر دیا اور سب مل کر جماعت سے تراویح پڑھنے لگے اور اس میں ختم قرآن کا اہتمام کرلیا گیا۔ (صحیح البخاری، وبیہقی)

بظاہر یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو باجماعت کر دیا لیکن حقیقت میں اس میں بہت عظیم اور دوررس فوائد پنہاں تھے، بعض ازاں یہ ہیں۔

(۱) تراویح میں قرآن سنانے کے شوق سے لوگ بکثرت قرآن حفظ کرتے ہیں، ایک مسجد میں تراویح ہو، کئی حفاظ شریک ہوتے ہیں، ایک حافظ قرآن سناتا ہے اور بہت سے حافظ سنتے ہیں اور تجربہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جو حافظ قرآن سنانا یا سننا چھوڑ دے اسے قرآن بھول جاتا ہے اور آج دنیا میں جو حفاظ قرآن کی اس قدر کثرت ہے یہ سب تراویح کی برکت اور فراست عمر کا صدقہ ہے۔

الغرض قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی صرف دو شکلیں ہیں یا صورت مصحف میں یا سینہ حافظ میں اور قرآن مصحف میں محفوظ عمر کی فکر سے ہوا اور سینہ میں محفوظ عمر کی فراست سے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے، تراویح کے سبب اب ہر سال رمضان میں حافظ اور سامع قرآن کا دور کرتے ہیں اور حضور کی یہ سنت تازہ رہتی ہے۔

(۳) سال میں ایک مرتبہ پورا قرآن سن لینے سے یہ موقع ملتا ہے کہ ہم اپنی ایک سال کی ڈائری کو دستور قرآن کے آئینہ میں دیکھ سکیں اور یہ فیصلہ کرسکیں کہ ہم نے قرآن کے کتنے احکام کی تعمیل کی ہے اور کتنے احکام کی مخالفت، اور پھر قرآن کی روشنی میں ہم اپنے کردار کے بگڑے ہوئے خدوخال کو درست کرسکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ امت کی تعمیر اور ملت کے استحکام کی لگن میں رہتے تھے' آپ کی فراست نے امت کو ہجری تقویم دی۔ شراب نوشی پر اسّی کوڑے حد مقرر کی۔ خلیفہ رسول کے لمبے چوڑے اضافی نام کی جگہ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا، امیر کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ابتدا کی' ہجو پر تعزیر مقرر کی' رات کو اٹھ کر احوال رعایا کے تجسس کا عمل جاری کیا، تادیب کیلئے درّہ ایجاد کیا' اطراف مملکت میں قضاۃ کا تقرر کیا، مساجد میں قنادیل کی روشنی کا انتظام کیا اور ایسے بہت سے کام کیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قد آور اور تاریخ ساز شخصیت کے سامنے ہر فراز نشیب معلوم ہوتا ہے، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبقری نظر کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں دوران خطبہ بھی ''نہاوند کے امیر لشکر کو ہدایات دیتے رہتے تھے'' دشت وجبل کی وسعتیں نگاہ عمر کے سامنے سمٹ جاتی تھیں، جزیرۂ عرب سے لے کر ساحل ''مکران'' تک تمام حکام ان کے رعب سے سہمے ہوئے رہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم وفراست اور عقابی نظر نے اس امت کو بہت کچھ دیا ہے۔ عہد عمر کی تہذیب، قانون' معیشت' عوام کی خوشحالی اور فتوحات کی وسعت دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر مل جاتا تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ (مقالات سعیدی ص:۱۷۸)

زمانہ صدیق اور عمر: (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی معاشرے میں ایک سنگین صورت حال پیدا ہوئی۔ انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ پر جمع ہو کر یہ اعلان کر دیا تھا "منا امیر ومنکم امیر" اس سلسلے میں حالات کی نزاکت اور نو پید خطرات کا بیان ہم خلیفۂ اول کے تذکرہ میں کر چکے ہیں لہٰذا دوبارہ بیان کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، لیکن اتنا بتا دیں کہ اس عظیم فتنہ کو دفع کرنے میں جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست کام آئی وہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت نے فتنہ کو کچلنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت ابوبکر کے خطاب کے بعد جس وقت شور وغل شروع ہوا حضرت عمر کو یہ سمجھنے میں بالکل دیر نہ لگی کہ اختلاف شروع ہو چکا ہے اور اس وقت

سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں لوگ کسی انصاری کی بیعت شروع نہ کر دیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جائے گا کیوں کہ کسی انصاری کی بیعت شروع ہو جانے کے بعد دوسرے کے لیے بیعت لینا بہت دشوار گزار مرحلہ ہے جس میں کامیابی کی امید رکھنا دانشوری کے قطعاً خلاف ہوگا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کی چنگاری کو بجھانے کے لیے سریع اقدام کرتے ہوئے فرمایا ''اے گروہ انصار! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے ایسے پاکیزہ نفس والا کون ہے جو ابوبکر سے آگے بڑھنا چاہتا ہے یہ جملہ سن کر انصار نے جواب دیا "نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر" ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ابوبکر سے آگے بڑھیں پھر کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھایئے آپ نے ہاتھ کو دراز کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی اور بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا پھر مہاجرین وانصار سب نے بیعت کر لی۔

(امیرالمومنین عمر بن خطاب ج۱،ص:۸۸، محض الصواب فی فضائل عمر بن خطاب ج۱،ص:۲۸۰)

(۲) بیعت کی ابتدا کرنے سے لے کر بیعت کے لیے لوگوں کو ابھارنا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام بیعت کرانا اور فتنہ کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دینا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ تھا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے آپ مشیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ کئی مقدمات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا صادر اور نافذ فیصلہ کو واپس لے لیا جیسے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو جو زمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرمائی وہ زمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر آپ نے واپس لے لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵،ص:۱۹)

(۴) قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر ہی نے تیار کیا۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر)

خلافت کے لیے تعین: یہ بات بھی آپ خلیفۂ اول کے تذکرہ میں پڑھ چکے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض شدید ہوا تو آپ نے جلیل القدر صحابہ سے خلافت کے بارے میں مشورہ فرمایا مشورہ دینے والوں میں حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان، اسید بن حضیر، سعید بن زید۔ ودیگر مہاجرین وانصار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تمام حضرات نے حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کی تائید وتصدیق فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کردیا۔ بروز منگل ۲۲/ جمادی الاخری ۱۳ھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

(امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ا،ص: ۹۸، تاریخ الخلفاص: ۶۲ و ۱۰۴)

یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کے جسم میں پیدا ہونے والے امراض کو اپنی دوررس نگاہوں کے ذریعہ دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ دنیا چھوڑنے سے پہلے امت کو اس مرض کی کامیاب دوا دے رہے تھے، تاریخ کے قاری پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطا کردہ نسخہ امت کے حق میں سو فیصد کامیاب ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں نے جو خواب حضرت عمر کے بارے میں دیکھا تھا وہ مکمل پورا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تاریخ اسلام کا ذریں دور شمار کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات فتنوں کے سامنے ایک مضبوط دیوار بن کر کھڑی ہوگئی جب تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقید حیات رہے امت فتنوں سے بچی رہی اور جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے فتنوں کا سلسلہ شروع ہوا تو آج تک رک نہ سکا بلکہ دراز ہوتا چلا گیا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست پر مہر یقین ثبت کردی اسی فراست کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے تین افراد گزرے ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صاحبہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت دیکھ کر اپنے باپ

سے عرض کیا کہ انہیں اجرت پر رکھ لیا جائے (۲) عزیز مصر جس نے حضرت یوسف کے بارے میں اپنی بیوی سے کہا ان کے رہنے کی جگہ عمدہ کرو امید ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ ملے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر فراست کا ثبوت دیا۔(تاریخ الخلفا ص: ۶۳)

پہلا خطبہ: کتب سیر میں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں کہ سب سے پہلا خطبہ حضرت عمر نے کیا دیا پھر علما نے ان مختلف روایات میں اس طور پر تطبیق دی ہے کہ پہلے خطبے میں روایات کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ طویل تھا لوگوں کو الگ الگ اجزا یاد رہے انہوں نے وہ جو انہیں یاد تھا پہلا خطبہ کہہ کر بیان کر دیا۔(امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ا ص ااا)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے جب خطبہ دینا چاہا، ممبر پر چڑھے اور جب آپ نے اس جگہ بیٹھنے کا ارادہ کیا جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوس فرماتے تھے تو آپ نے فرمایا: اللہ نہ کرے کہ میں اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ بیٹھنے کا اہل سمجھوں لہٰذا آپ ایک سیڑھی نیچے اتر گئے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی لوگوں کو قرآن پاک پڑھنے اور اس کو سمجھنے پھر اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کا وزن کرو اس سے پہلے کہ قیامت میں ان کو تولا جائے، اور اس دن کے لیے تیار ہو جایئے جو پیشی کا سب سے بڑا دن ہے جس دن کوئی بھی چیز پوشیدہ نہ رہ سکے گی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کسی حق دار کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے مال کے بارے میں ایسا بنالیا ہے کہ جیسے کسی کے پاس یتیم کا مال ہو اور وہ اس کی رکھوالی کر رہا ہو اگر وہ فقیر ہو تو اپنی ضرورت بھر اس میں سے لے سکتا ہے اور اگر مالدار ہے تو اس سے باز رہے۔(امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ج ا ص ۱۱۰)

دوسرا خطبہ: جلال فاروقی کا کہنا ہی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق شیطان بھی وہ راہ بدل دیتا ہے جس راستے سے عمر گزر جائیں۔ جن لوگوں نے جلال فاروقی کو آغوش نبوت میں پروان چڑھتے دیکھا تھا خلافت صدیقی میں بھی جس کے

جلال سے مجرموں کے خون خشک ہو جاتے تھے۔اب تو وہ صاحب جلال خود ہی مملکت اسلامیہ کا والی ہے ماقبل کے دور میں کچھ کر گزرنے سے پہلے اسے اجازت کی ضرورت ہوتی تھی لیکن اب تو وہ خود ہی منصف، خود ہی قاضی، اور خود ہی محاسب ہے، نہ اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، نہ کسی کے انتظار کی حاجت۔اب تو معاملہ یہ ہے کہ۔

حکم نافذ ہے ترا خامہ ترا سیف تیری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

اس ذات ستودہ صفات کے تخت خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی بہت سے لوگ مارے خوف کے مبہوت ہو گئے، لوگوں نے اپنے گھروں کے دالانوں میں مجالس جمانا ترک کر دیں۔جب کہ خلیفۂ اول کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ جب وہ راہوں سے گزرتے تو بچے یاابت یاابت،، کی صدائیں لگاتے، ان سے چمٹ جاتے اور خلیفہ شفیق باپ کی طرح ان کے سروں پر دست شفقت رکھتے، حق محبت ادا کرتے اور آگے گزر جاتے، اب خلافت کیا بدلی کہ زمانہ بدل گیا لوگ متفرق اور منتشر ہو کر اس انتظار میں ہیں کہ امیر المومنین کیا حکم نافذ کرنے والے ہیں، آخر لوگوں کا ڈر، خوف اور دہشت کا عالم عمر پر منکشف ہو گیا خبر لگتے ہی عام ندا کر دی ’’الصلوۃ جامعۃ‘‘ جس کے کان میں یہ آواز پہنچی ادب واحترام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو گیا، بھیڑ جمع ہو گئی مسجد بھر گئی، امیر المومنین خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور بکمال عجز و نیاز رب قادر وقیوم کی بارگاہ صمدیت میں حمد وثنا کے گلہائے رنگارنگ پیش کیے اور نبی کریم رؤف ورحیم کی بارگاہ رحمت ونور میں درود وسلام کی نذریں پیش کرنے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو گئے اور فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ لوگ میری سختی سے خوف زدہ ہیں اور آپس میں گفتگو کر رہے ہیں کہ عمر ہم پر سخت تھا جب کہ حضور تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق کے زمانہ میں اس کا یہی حال رہا اب تو وہ خلیفہ ہے اب تو شدت وغِلظت کا کیا عالم ہو گا عمر کے کلام کا سلسلہ آگے بڑھ رہا تھا اور لہجہ میں سنجیدگی ووقار بڑھتا جا رہا تھا۔فرماتے ہیں: جس نے یہ کہا اس نے یقیناً سچ کہا میں حضور کے ساتھ ان کے غلام اور خادم کی حیثیت

سے رہا اور حضور کے رحم و کرم اور نرمی کا کیا کہنا کون ہے جو حضور کا ہمسر ہو؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں رؤف و رحیم بنایا اور انہیں اپنے دو اسم مبارک ہبہ کر دیے۔

میری سعادت مندی ہے کہ میں حضور کے ساتھ کھلی تلوار تھا مجھے جہاں چاہتے وہاں استعمال فرماتے اور اللہ کا احسان عظیم کہ حضور اس حال میں رب کے جوار میں پہنچے کہ آپ مجھ سے راضی تھے، پھر حضرت ابوبکر کا زمانہ آیا ان کی نرمی اور رحم دلی سے متعلق پورا زمانہ گواہ ہے کہ میں ان کے ساتھ بھی خادم اور مددگار کی حیثیت سے رہا، میں ان کی نرمی کے ساتھ اپنی شدت کو ملاتا رہا اور میری شدت کی تلوار ان کے ہاتھ میں رہی جب چاہتے اسے میان میں ڈال دیتے اور جب چاہتے اسی سے ظلم کی گردن کاٹ لیتے۔ تمام تعریفیں اسی رب کے لیے ہیں کہ جس نے مجھے یہ توفیق بخشی اور میں اپنے آپ کو سعادت مند سمجھتا ہوں کہ وہ ایسے حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ مجھ سے راضی تھے۔ لوگو! سنو اب تمہارے معاملات میرے سپرد کر دیے گئے ہیں تو میری شدت اور بڑھ گئی ہے لیکن ہر ایک کے لیے نہیں میری سختی ہر اس انسان کے لیے ہے جو کسی مسلمان پر ظلم و تعدی، سرکشی اور طغیان کی تلوار چلائے گا میں ظالم کے ایک رخسار کو زمین پر رکھوں گا اور دوسرے رخسار پر اپنا قدم جما کر حق کو واضح اور نمایاں کروں گا اور حق کے طلب گاروں کے لیے میرے رخسار ہمیشہ زمیں بوس رہیں گے، تم اپنے حقوق کا کسی وقت بھی مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو، مجھے ہمیشہ اپنی خدمت میں حاضر پاؤ گے اور جب تم لوگ اسلام کی بقا اور ترقی کے لیے جنگی محاذ پر جاؤ گے تو میں تمہارے بال بچوں کا کفیل اور ضامن رہوں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے معاف فرمائے۔ (الریاض النضرۃ ج ۲، ص: ۲۷۲، امیر المومنین عمر بن الخطاب)

زمانۂ عمر اور آزادیٔ فکر: خلیفۂ ثانی کا زمانہ ان کے رعب اور دبدبہ سے بھرپور تھا، ان کے حکم کے خلاف کسی کو دم مارنے کی گنجائش بھی نہیں تھی، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے شمشیر کے زور پر لوگوں کو بہرا اور گونگا بنا رکھا تھا، کہ خلیفہ چاہے جو کرے اس سے کوئی باز پرس نہ ہو، عمر سخت ضرور تھے لیکن ان لوگوں پر جو قانون کی خلاف ورزی کرنے والے تھے،

جہاں تک حق کہنے اور حق سننے کا سوال ہے، تو اس کے لئے بھی عمر کا زمانہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے دربار میں ہر ایک کو آزادئ فکر حاصل تھی کہ کوئی بھی اپنی بات کھلے طور پر مجمع عام میں پیش کر سکتا ہے گو وہ بات خلیفۂ وقت یا اس کے اہل وعیال کے خلاف کیوں نہ ہی، ان کے دور کو شرعی جمہوری نظام کی اساس اور بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہیں جب کسی فیصلے سے متعلق یہ احساس ہوا کہ ان کا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے غیر مناسب ہے یا وہ فیصلہ منفعت عامہ کے خلاف ہے خواہ یہ احساس انہیں از خود ہوا ہو، یا انہیں کسی نے احساس دلایا ہو، تو بطیب خاطر انشراح صدر کے ساتھ انہوں نے اپنے فیصلہ کو بنا کسی تاخیر کے تبدیل کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”اَیُّھَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا“ اتنا سنتے ہی ایک سلیمان نامی مرد کھڑا ہوا اور اس نے چیلنج بھرے انداز میں کہا ”لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ“ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا، یقیناً سبھی کے ذہنوں میں یہ خیال آیا ہوگا کہ اب درۂ فاروقی اس شخص کی کھال ادھیڑ دے گا۔ (درۂ فاروقی تلوار سے زیادہ مہیب تھا) لیکن پورا مجمع حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا، جب عمر نے نہایت ہی سنجیدہ لہجہ میں اس کی بات کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! اے اللہ کے بندے! ذرا یہ تو بتا کہ تم میری بات کیوں نہ سنو گے؟ سلیمان نے جواب دیا کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں کیا ہے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کو صرف ایک ایک کپڑا دیا گیا ہے اور آپ پورا جوڑا قمیص اور تہبند کی شکل میں پہنے ہوے ہیں۔ اس کی بات سننے کے بعد آپ نے آواز لگائی کہ یا عبداللہ! سب خاموش رہے پھر آپ نے فرمایا: یا عبداللہ ابن عمر! تو آپ کے بیٹے نے عرض کیا حاضر ہوں اے امیر المومنین! آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کپڑے کو میں نے تہبند بنایا ہے وہ تمہارا کپڑا ہے یا نہیں؟ عبداللہ نے جواب دیا ”اللّٰھم نعم“ ہاں وہ بے شک میرا ہی کپڑا ہے، سلیمان نے عبداللہ کے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا کہ اب امیر المومنین آپ کی بات سنی جائے گی۔ (عیون الاخبار ج ۱، ص: ۲۳، امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ۱، ص: ۱۴۳)

ایک دن آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اگر میرے اندر کوئی ٹیڑھا پن نظر آئے تو اسے سیدھا کر دینا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کی قسم! اگر ہم آپ کے اندر کوئی ٹیڑھا پن دیکھیں گے تو اسے اپنی تلواروں سے ضرور سیدھا کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کیا تمام تعریفیں اس معبود کے لیے جس نے اس امت میں ایسے شخص کو پیدا فرمایا جو عمر کے ٹیڑھے پن کو اپنی تلوار سے سیدھا کر دے گا۔ (امیر المؤمنین عمر بن خطاب ج ۱ ص: ۱۴۲)

ایک دن آپ نے اعلان فرمایا: کوئی بھی مسلمان کسی عورت کو مہر میں چالیس اوقیہ چاندی سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اس پر ایک عورت نے اعتراض کرتے ہوئے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور آپ منع فرماتے ہیں۔ آپ نے عورت سے پوچھا وہ کیسے؟ اس عورت نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۲۰

﴿النساء ۲۰﴾

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور ارشاد فرمایا: "أَمْرَأَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ أَخْطَأَ" یعنی ایک عورت نے صحیح سمجھا اور مرد سے چوک ہوگئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ (تفسیر کبیر، النساء ۲۰، امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ۱ ص: ۱۴۳)

فتوحات: آپ کا دور شریعت اسلامیہ کا پاسبان، اور محافظ تھا، قانون خداوندی کی بالا دستی قائم تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے اور اچھے طریقہ پر حضرت عمر گامزن تھے، اور زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لیے ترقی کی نئی راہیں کھوج کر امت مسلمہ کو برق رفتاری کے ساتھ ان پر چلا رہے تھے، عدل و انصاف کا غلغلہ تھا، جرائم کے سد باب کے لیے عمر نے اپنی سختی کو دو بالا کر دیا تھا، درۂ فاروقی کی گونج سے مجرموں کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصائص حمیدہ سے اللہ و رسول جل مجدہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راضی تھے اور

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں نے خلیفہ اور رعایا کو اپنے آغوش کرم میں لے رکھا تھا۔ عمر چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کا پرچم پوری دنیا میں لہرائے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس مہم کا آغاز کر چکے تھے۔ اب عمر کی ذمہ داری تھی کہ اس کام کو وسیع پیمانے پر آگے بڑھائیں۔ انہیں اس ذمہ داری کا مکمل احساس بھی تھا، اور وہ اس کے لیے کامل سپردگی کے ساتھ کوشاں بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کے لیے فتوحات کو ارزاں کر دیا تھا، عمر نے جس طرف کا قصد کیا ان کی فوجیں اس طرف اسلام کی کامیابی کے جھنڈے گاڑتی چلی گئیں۔ فتوحات اس کثرت سے ہوئیں کہ بعض علما نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس امت کو ایک عمر اور عطا فرما دیتا تو پوری دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ ان کے زمانہ کی فتوحات اور ان کی تفصیلات کے بیان کے لیے مکمل کتاب درکار ہے اور علما نے اس پر کتابیں لکھی بھی ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ صرف بعض کو شمار کر رہے ہیں۔

۱۴ھ میں دمشق جنگ اور صلح کے ملے جلے اثر سے فتح ہوا، اور اسی سال حمص اور بعلبک صلح کے ذریعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے بصرہ اور ایلہ کو بھی مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا۔

۱۵ھ میں اُردن جنگ کے ذریعہ فتح ہوا لیکن طبریہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا، اسی سال یرموک اور قادسیہ پر سخت معرکہ آرائی ہوئی، اسی سال آپ کے حکم سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر کی بنا ڈالی۔

۱۶ھ میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے، اسی سال حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسریٰ کے ایوان میں جمعہ قائم فرمایا، عراقی مملکت میں قائم ہونے والا یہ پہلا جمعہ تھا، اسی سال جلود کا واقعہ پیش آیا، یزدجرد کو شکست فاش ہوئی، اور وہ منہ چھپا کر بھاگ گیا، تکریت فتح ہوا وہاں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ پھر بیت المقدس فتح ہوا، قرقیسا، انطاکیہ، منبج اور سروج فتح ہوئے، اس کے بعد نیشاپور، حلوان، سمساط، قیساریہ، مصر، مستر، اسکندریہ، نہاوند، آزربائیجان، بنورہ، ماسیذان، ہمدان، طرابلس، رے، کرمان، سجستان،

مکران، اور اصفہان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۵، ۱۰۴)

میزانِ انصاف: عدلِ فاروقی میں قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے اتنی بڑی سلطنت کا والی رہتا مدینہ منورہ میں ہے، لیکن سلطنت کے چپے چپے پر اس کی نظریں لگی ہوئی ہیں، جب بھی کہیں کسی پر ظلم ہوا، اور مظلوم نے انصاف چاہا، تو عمر نے ظالم کو اپنی عدالت میں گھسیٹ لیا۔ ظلم و تعدی کرنے والا امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم اپنا ہو یا غیر، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عمّال کو سخت تاکید فرماتے کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ عدل وانصاف کے معاملہ میں وہ حاکم ورعایا میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ ان کا یہ نظریہ صرف تصور کی حد تک نہ تھا انہوں نے اس نظریہ کو فکر وخیال کی وادیوں سے نکال کر سطح زمین پر عوام وخواص کی زندگی میں نافذ کردیا تھا انہوں نے واضح الفاظ میں اپنے عمال سے متعلق اعلان کررکھا تھا۔

اے لوگو! میں نے حکام کو اس لیے عہدے نہیں دیے ہیں کہ وہ تمہاری کھال ادھیڑ لیں اور تمہاری ہتک عزت کرتے پھریں یا تمہارے مال، مال مفت سمجھ کر ڈکار جائیں بلکہ میں نے انہیں تم پر اس لیے حاکم بنایا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا درس دیں اور نبی کی سنت سکھائیں۔ لہٰذا اگر کسی عامل نے اپنی رعایا پر ظلم کیا تو میں قصاص کے سوا کوئی بات نہ سنوں گا۔ اس سخت حکم پر حضرت عمرو بن عاص نے عرض کیا امیر المومنین! اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کو ادب دینے کے لیے مار پیٹ کرتا ہے تب بھی آپ اس سے قصاص لیں گے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جواب دیا: میں اس سے کیوں کر نہ لوں گا جب کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے آپ سے قصاص لیتے دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۲۶۱)

مصری کے ساتھ انصاف: عقیدتوں کا خراج اور محبتوں بھرا اسلام پیش ہے عدالت فاروقی میں، کہ آپ نے جو کہا تھا اسے حرف بحرف سچ کر دکھایا۔ یہی عمرو بن عاص جنہوں نے عرض کیا تھا کہ کیا آپ حکام سے بھی قصاص لیں گے؟ یہ مصر کے گورنر تھے ان کا لڑکا اپنے باپ کی گورنری کے نشے میں ایک مصری پر تعدی کر بیٹھا تھا، مصری انسان نے آکر

امیر المومنین کی بارگاہ میں شکایت درج کراتے ہوئے عرض کیا: میں مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ میں آگے نکل گیا، صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے، اور کہا کہ میں دو معزز والدین کا بیٹا ہوں۔ اس فریاد پر امیر المومنین نے حکم نافذ فرمایا: عمرو بن عاص اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔ پیغام ملتے ہی حضرت عمرو بن اپنے بیٹے کے ساتھ دار الخلافت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مظلوم مصری کو آواز لگائی مصری کہاں ہے؟ آؤ کوڑا ہاتھ میں لو اور مارنا شروع کرو، حکم پاتے ہی مصری نے کوڑے برسانے شروع کر دیے حضرت عمر کہے جارہے تھے دو کریموں کے بیٹے کو پیٹتا رہ حضرت انس فرماتے ہیں: شروع میں ہم یہی چاہتے تھے کہ اس کی اور پٹائی ہو لیکن جب اس نے خوب پیٹ لیا تو ہم تمنا کرنے لگے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، پھر امیر المومنین نے حکم دیا کہ اب عمرو بن عاص کی طرف متوجہ ہو جاؤ، مصری نے عرض کیا حضور! مجھے صرف بیٹے نے مارا تھا میں اس سے بدلہ لے چکا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے اے عمرو! تم نے انہیں غلام کب سے بنا لیا ہے حضرت عمرو نے کہا نہ مجھے اس واقعہ کی خبر ہے اور نہ مجھ سے شکایت کی گئی ہے۔

(کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۰۱۰، الامن والعلیٰ ص: ۲۳۹)

بادشاہ کے خلاف فیصلہ: غسان کے بادشاہ جبلہ کے اسلام لانے کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی، تو آپ بڑے خوش ہوئے، اور مدینہ شریف آنے کی دعوت دی، اور ایک قول کے مطابق اس نے خود مدینہ منورہ آنے کا عزم ظاہر کیا۔ بہر حال وہ مدینہ شریف حاضری کی غرض سے اپنے پورے کروفر کے ساتھ چلا، پانچ سو سوار بیش قیمت ہدایا لیے ہوئے ساتھ تھے، اس نے اپنے قافلہ میں شریک گھوڑوں کو سونے اور چاندی کے ہار پہنا رکھے تھے اور خود اس کے سر پر ہیرے جواہرات سے مرصع بیش قیمت تاج جگ مگا رہا تھا، جس دن وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا لوگ اسے دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے تھے اس نے حضرت عمر کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام کیا، حضرت عمر نے بھی اس کی خوب

عزت افزائی فرمائی اور اپنے ساتھ حج کے لیے لے گئے، جبلہ بھیڑ کے ساتھ طواف کعبہ کر رہا تھا، کہ قبیلہ فزارہ کے ایک شخص نے اس کے تہبند پر اپنا پیر رکھ دیا جس کی وجہ سے جبلہ کا تہبند کھل گیا، جبلہ نے غصہ میں اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس شخص کی ناک ٹوٹ گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے جبلہ کو طلب کیا، جبلہ نے اقرار جرم کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ بادشاہ غسان سے فرمایا: قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں ایک بادشاہ ہوں، اور وہ ایک عام آدمی ہے پھر بھی مجھ سے قصاص لیا جائے گا؟ اسلام میں میری اتنی عزت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اسلام نے سب کو برابر کر دیا ہے، فضیلت صرف تقوی سے حاصل ہوتی ہے، یا تو صاحب معاملہ کو راضی کر لو، ورنہ بدلہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا کہ میں نصرانی ہو جاؤں گا، حضرت عمر نے فرمایا: پھر تو تمہاری گردن ماردی جائے گی، جب اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو بولا مجھے اس رات غور کرنے کی اجازت دی جائے، اجازت مل گئی اور وہ اسی شب تاریکی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا اور مرتد ہو کر ہرقل کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص: ۲۶۶)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

قارئین کرام غور فرمائیں! عدالت فاروقی میں ایک عام انسان کے مدمقابل ایک بادشاہ کھڑا ہے بادشاہ کا جرم ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا بادشاہ کے معاملے میں کسی نرمی اور رعایت سے کام نہیں لیا گیا کہ بڑا آدمی ہے، بات کو یوں ہی سنا ان سنا کر دیا جائے، بادشاہ کو خوش کر کے اس سے خوب فوائد حاصل کیے جائیں، امیر المومنین نے وہی سیدھا سچا حکم جو ہر ایک کے لیے عام ہے اس پر بھی نافذ کر دیا اور نتیجہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں سونپ دیا اس میں شک نہیں کہ امیر المومنین اس فیصلہ پر مرتب ہونے والے اثرات سے بلاشبہ باخبر ہوں گے لیکن ان کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ زمین و آسمان میں سب سے بلند و بالا اللہ کا

قانون ہے، باقی سب مخلوق اس کے زیرِ نگیں ہے، اللہ ورسول کی خوشنودی قانونِ خداوندی کے نفاذ میں ہے نہ کہ اس کے ساتھ کھلواڑ کرنے میں، لہٰذا انہوں نے قانون کو نافذ کر دیا۔

عُمّال کا انتخاب: فراست عمر کو کون نہیں جانتا! ان کی رائے مطابقِ وحی ہوتی۔ جس کو ہم زبان نبی اور ترجمان نبی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ جب اپنے عمال کا انتخاب کرتے تو پوری چھان بین اور مکمل جانچ پڑتال کرتے، معتمد حضرات صحابہ سے مشورہ بھی فرماتے، پھر کسی کا انتخاب عمل میں لاتے۔ عہدہ سپرد کرنے سے پہلے رعایا کے حقوق اور عامل کی ذمہ داریاں یاد دلاتے، خلاف ورزی کی صورت میں سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنے کی تاکید فرماتے۔

عامل کے اختیارات، اس کی ذمہ داریاں اسے لکھ کر دی جاتیں، جو انہیں مجمع عام میں پڑھ کر سنانا ہوتیں۔ اس پورے معاملے پر مہاجرین وانصار کو گواہ بنایا جاتا۔ عمال کے لیے ان شرائط پر عمل کرنا ضروری تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں کریں گے، باریک کپڑا نہیں پہنیں گے، حاجت مندوں کے لیے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ (تاریخ طبری ج ۲، ص: ۵۶۹)

عمال کا محاسبہ: اپنے دور کو ظلم وستم سے بچا کر ایک عادلانہ نظام نافذ کرنے کے لیے آپ نے بہت ساری تدبیریں اپنائیں تھیں، جن کے ذریعہ رعایا کو مکمل انصاف مل سکے، اور کوئی عامل اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز نہ کرے، شرعی حدود کو پامال نہ کرے۔ عمال پر لگام کسنے کے لیے ایک بہترین تدبیر یہ تھی کہ آپ نے عمال پر لازم کر رکھا تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ شریف میں جمع ہوں، موسم حج میں ہر علاقہ کے مسلمان مکہ شریف میں حاضر ہوتے، حضرت عمر کی عدالت قائم ہوتی، اور عام اعلان کیا جاتا، اگر کسی بھی انسان کو کسی حاکم سے شکایت ہو تو بتائے۔ لوگ اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتے، آپ ان کا فیصلہ فرماتے اگر ضرورت ہوتی تو مجمع عام میں مجرم کو سزا دیتے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۰۰۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو مصر پر حاکم متعین کیا۔ آپ سے ایک

انسان نے شکایت کی کہ آپ نے خائن کو مصر کا حاکم بنا دیا ہے وہ ایسا ایسا کرتا ہے (بیش قیمتی لباس پہنتا ہے اور محل بنواتا ہے) آپ نے تحقیق حال کے بعد بلا کر اس کے ہاتھ میں ڈنڈا دیا، اون کا جبہ پہنایا اور بکریوں کا ریوڑ اس کے حوالے کیا اور فرمایا کہ جاؤ بکریاں چراؤ تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص: ۵۶۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر میں رہنے کا ایک مکان بنوایا، اور اس میں ڈبل دروازہ لگوا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے محمد بن سلمہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوا دی اور محمد بن سلمہ کو دوسرا حکم یہ تھا کہ سعد کو مسجد میں لے جا کر اہل کوفہ سے ان کے متعلق پوچھیں۔ محمد بن سلمہ نے ایسا ہی کیا، لیکن سب نے آپ کے متعلق کلمات خیر ہی کہے۔ (کنزالعمال حدیث نمبر: ۳۶۰۱۱)

امرھم شوریٰ: اسلام چوں کہ فطری مذہب ہے اس لیے اس کے ہر حکم میں خیر ہے، لہذا وہ اپنے ماننے والوں کو کوئی کام کرنے سے پہلے مشورہ کرنے کا حکم دیتا ہے، اور قرآن نے مشورہ کرنے والوں کی ستائش فرمائی ہے "أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" فاروق اعظم بایں جلالت شان ایک ایسے خلیفہ تھے جس کی خلافت کی بنیادیں اسلامی آئین پر اٹھائی گئیں تھیں، ان کی جگہ کوئی دوسرا اس کروفر کا مالک ہوتا تو شاید ڈکٹیٹر شپ قائم کر لیتا لیکن آپ امور خلافت کو باہمی مشورہ سے انجام دیتے، کسی بھی اہم کام کے لیے مجلس شوریٰ کا انعقاد عمل میں لایا جاتا اس تعلق سے آپ کا ایک جملہ بہت معنی خیز ہے "لَا خِلَافَةَ إِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ" بغیر مشورہ کے کوئی بھی خلافت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ (کنزالعمال حدیث نمبر ۱۴۱۳۶)

مہاجرین کے سوا حضرات انصار میں سے معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت آپ کے خاص مشیر تھے۔ جب بھی کوئی خاص معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ان حضرات سے مشورہ فرماتے۔ (ایضاً حدیث: ۳۶۷۴۴)

محکمۂ عدالت: آپ کے دور میں بہت سارے شعبوں کی بنیادیں پڑیں۔ کچھ شعبے جو پہلے سے قائم تھے انہیں استحکام حاصل ہوا، محکمۂ عدالت پر آپ نے خاص توجہ فرمائی،

عہدۂ قضا انہیں لوگوں کو سونپا گیا جو ذہانت و فطانت اور علم و درایت میں ممتاز تھے اور قوت فیصلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، تقویٰ اور طہارت میں اپنی مثال آپ تھے پھر ان حضرات کو فارغ البال بنانے اور رشوت سے بچانے کے لیے بھی آپ تدبیریں فرماتے، آپ کی ایک بہترین تدبیر یہ تھی کہ ان حضرات کو خاطر خواہ وظیفہ بیت المال سے عطا فرماتے۔ چناں چہ اس زمانہ میں آپ قاضی سلیمان بن ربیعہ باہلی کو پانچ سو درہم ماہانہ عطا فرماتے تھے، قاضی شریح کو بھی ایک سو درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، قاضی شریح کا وظیفہ قاضی سلیمان سے اس لیے کم تھا کہ آپ کے اخراجات کم تھے۔ (فتح القدیر کتاب ادب القاضی)

شرعی عدالت: قاضی حضرات ہر قسم کے دباؤ سے بالکل فری تھے، انہیں صرف یہی حکم تھا کہ قانون شریعت کے اعتبار سے وہ اپنے فیصلے صادر کریں مدعی کون ہے یا مقدمہ کس کے خلاف ہے اس سے انہیں قطعاً کوئی دباؤ محسوس نہیں کرنا چاہیے، یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ خود خلیفہ نے اپنی ذات کو بھی اس قانون کے حصار میں کر رکھا تھا جو وہ دوسروں پر نافذ کرنا چاہتے تھے اس کی واضح مثال آپ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔

(۱) امیر المومنین حضرت عمر اور ابی بن کعب کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب سے فرمایا: تم جسے چاہو اس معاملہ میں فیصل بنا لو ہم دونوں اس کے پاس چل کر فیصلہ کرا لیتے ہیں، دونوں لوگ زید بن ثابت کو فیصل بنانے پر راضی ہو گئے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دونوں حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید سے فرمایا: ہم آپ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کو خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا امیر المومنین آپ یہاں تشریف رکھیں حضرت زید کے اس جملہ اور امتیازانہ رویہ پر امیر المومنین نے فرمایا: یہ آپ کے فیصلہ کا پہلا ظلم ہے میں یہاں ایک خصم کی حیثیت سے آیا ہوں لہٰذا اپنے خصم کے ساتھ بیٹھوں گا ابی بن کعب اور عمر دونوں زید کے سامنے بیٹھے، ابی بن کعب نے اپنا دعویٰ پیش کیا، عمر نے اس کا انکار کیا ابی بن کعب

کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے عمر پر قسم لازم ہوئی لیکن زید نے حضرت عمر کی سفارش کرتے ہوئے ابی بن کعب سے کہا امیر المومنین کو قسم پر مجبور مت کرو، زید کی یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھلی معلوم نہ ہوئی آپ نے قسم کھائی اور زید کو تنبیہ فرمائی اے زید! سنو تم اس وقت تک قضا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک تمہاری نظر میں عمر اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہو جائیں۔ (کنزالعمال حدیث: ۱۴۴۴۵)

بیت المال کی نگرانی: بیت المال اسلام اور مسلمانوں کا خزانہ ہوتا ہے، دین کے بہت سے منافع اور مصالح بیت المال سے متعلق ہوتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی میں بیت المال مادی اسباب کی رو سے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، جن فتوحات کو ہم اجمالاً بیان کر آئے ہیں ان سے یہ بات صاف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ فاروقی دور کی فتوحات اپنا ثانی نہیں رکھتیں، قیصر وکسریٰ کے خزانے جو مشہور بھی تھے اور ضرب المثل بھی ان خزانوں کا رخ قادر وقیوم نے مدینہ منورہ کی طرف کر دیا تھا ساز وسامان اور مال ومنال سے لدے اونٹ اور گھوڑے مدینہ شریف میں داخل ہوتے اور بیت المال کی زینت بنتے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب عمر غرور وگھمنڈ کا پتلا بن کر بیت المال کی اہمیت سے منہ موڑ لیتے یا اسے لٹانے اور اڑانے پر کمر بستہ ہو جاتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان مال کو لٹانے اور اڑانے پر آجائے تو سونے اور چاندی کے ڈھیروں کو بھی گھنٹوں اور منٹوں میں ختم کر سکتا ہے اگر چہ ان ڈھیروں کا اٹھان اور پھیلاؤ مسافت بعیدہ کو محیط ہو، آپ نے بیت المال کی حفاظت کے انتظامات پختہ کیے تھے، بیت المال کا امین ان حضرات کو بنایا گیا تھا جو امانت ودیانت اور خشیت ونصیحت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے جانشین تھے، آپ نے صوبوں میں الگ الگ بیت المال قائم فرمائے تھے اور مرکزی بیت المال دارالخلافہ مدینہ منورہ میں تھا اس لیے بیت المال کے خازن اور امین کے طور پر کئی حضرات کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کا والی بنایا گیا، حضرت عبداللہ بن ارقم کو مدینہ شریف کے بیت المال پر مقرر کیا گیا۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۱۷۲، البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۱۲۷، وج ۸، ص: ۳۴۵)

احساسِ ذمہ داری: آپ کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ آپ مسلمانوں کے جملہ امور کے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس سے متعلق آپ سے سوال فرمائے گا۔ آپ فرمایا کرتے اگر بیت المال کا کوئی اونٹ مدینہ شریف سے دور نہر فرات کے قریب بھی گم ہو گیا تب بھی مجھے خوف ہے کہ میرا رب مجھ سے اس سے متعلق باز پرس فرمائے گا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۲۸۴)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے جہاں صدقے کے اونٹوں کا باڑا بنا ہوا تھا، یہ اس دن کی بات ہے جس دن گرمی اپنے جوبن پر تھی، اور لو کی شدت نے اس دن کو مزید گرم بنا دیا تھا (لو کے تھپیڑے گویا آگ برسا رہے تھے یہ دن عذاب سے کم نہیں تھا) اسی لمحہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھی کی نظر ایک ایسے انسان پر پڑی جو تہبند باندھے ہوئے ہے اور سر پر اس نے ایک چادر لپیٹ رکھی ہے، جو اونٹوں کو ہانک کر باڑے کی طرف لیجا رہا ہے حضرت عثمان نے اپنے ساتھی سے فرمایا: ذرا دیکھو یہ کون انسان ہے؟ قریب گئے تو پتا چلا یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ حال دیکھ کر حضرت عثمان کی زبان سے بے ساختہ یہ کلام نکل پڑا "وَاللهِ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ" خدا کی قسم عمر طاقتور بھی ہیں اور امین بھی۔ (طبری ج ۲، ص: ۵۶۵)

گھر والوں پر سختی: آپ کے مزاج میں سختی تھی اور آئین شریعت پر سختی سے عمل کرتے تھے اور ہر ایک سے کراتے تھے وہ ایسا ہرگز روا نہیں رکھتے کہ دوسروں کو قانون کی گرفت میں لے لیا جائے اور خود کو یا اپنے گھر والوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ جو قانون بناتے خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے اور گھر والوں سے بھی عمل کراتے۔ حضرت سالم بیان فرماتے ہیں: آپ جب بھی خطبہ دیتے اور لوگوں کو کسی کام سے روکتے تو گھر آ کر سب گھر والوں کو جمع کرتے اور فرماتے: میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کر دیا ہے تم بھی اس سے باز رہنا تم پر لوگوں کی نظریں ایسے جمی رہیں گی جیسے پرندہ گوشت کو دیکھتا رہتا ہے، خبردار! قانون کی خلاف ورزی مت کرنا قسم خدا کی اگر تم کو میں نے ایسا کرتے ہوئے پایا تو

تم کو دوگنی سزا دوں گا۔ (طبری ج ۲، ص: ۵۶۸)

جس خلیفہ کا معاملہ گھر والوں کے ساتھ احکام کی بجا آوری میں اتنا سخت ہو وہ کب یہ برداشت کر سکتا تھا کہ بیت المال میں اس کے گھر والے دست درازی کریں وہ تو یہ بھی روا نہیں رکھتے تھے کہ ان کا کوئی بچہ بھی بیت المال سے ناجائز طور پر ایک درہم استعمال کرے۔ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس مال غنیمت آیا یہ خبر آپ کی شہزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو وہ آپ کے پاس آئیں، اور آ کر عرض گذار ہوئیں اے امیر المومنین! اس مال میں میرا حق ہے، کیوں کہ میں آپ کے ذوی القربیٰ سے ہوں، اور ذوی القربی پر خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا: بیٹی تم اپنے باپ کو دھوکے میں نہ ڈالو تمہارا حق میرے ذاتی مال میں ہے یہ میرا ذاتی مال نہیں ہے یہ سن کر وہ خالی دامن لیے گھر چلی گئیں۔ (کنز العمال حدیث: ۳۵۹۶۰)

حضرت عبداللہ آپ کے شہزادے فرماتے ہیں: میں نے ایک اونٹ خرید کر سرکاری چراگاہ میں پہنچا دیا، جب وہ فربہ ہو گیا تو بیچنے کے لیے بازار لے گیا، اسی اثنا میں امیر المومنین بازار آ گئے، آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا، اور فرمایا: عبداللہ یہ اونٹ اتنا موٹا کیسے ہو گیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسے سرکاری چراگاہ میں چرنے کے لیے بھیج دیا تھا، آپ نے فرمایا: کیا سرکاری چراگاہ اس لیے ہے کہ اس میں امیر المومنین کے بیٹے کا اونٹ چرے؟ عبداللہ سنو! یہ سرکاری چراگاہ سے موٹا ہوا ہے لہٰذا تم اپنے اونٹ کی اصلی قیمت لے لو اور جو زیادتی ہوئی ہے اسے بیت المال میں جمع کر دو۔ (کنز العمال حدیث: ۳۶۰۰۶)

دور و دراز مقامات تک اسلام کو پہنچانے کے لیے آپ نے طاقت کا بھی استعمال فرمایا، اور حسن تدبیر کا بھی، شاہان وقت کے ساتھ خط و کتابت اور تحائف کی آمد و رفت بھی انہیں تدبیروں میں سے ایک تھی۔

روم کا قاصد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ کی اہلیہ نے ایک دینار ادھار لے کر عطر خریدا اور اسے شیشیوں میں کر کے ملکۂ روم کے پاس بھجوا دیا۔ اس کے بدلہ میں ملکۂ

روم نے کچھ ہیرے اور جواہرات حضرت عمر کی بیوی کے پاس بھجوائے، حضرت عمر نے جب وہ ہیرے اور جواہرات دیکھے تو آپ نے ان کو بکوا کر ایک دینار اپنی اہلیہ کو عطا فرمادیا اور باقی رقم بیت المال میں جمع کر دی۔ (کنز العمال حدیث:۳۶۰۱۵)

حضرت ابوموسیٰ نے عراق سے کچھ زیورات بیت المال کے لیے بھجوائے۔ جب وہ زیورات حضرت عمر کے پاس پہنچے اس وقت آپ کے بھائی زید کی بیٹی آپ کی گود میں بیٹھی تھی، آپ اپنی بھتیجی اسما سے جان سے زیادہ محبت کرتے تھے، جس دن سے آپ کے بھائی زید جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے، بچی نے زیورات میں سے ایک انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی آپ اس بچی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئے، اور اس سے خوب لاڈ پیار کرنے لگے جب بچی آپ کے لاڈ پیار میں محو ہو گئی اور اسے انگوٹھی کا خیال نہ رہا، آپ نے خاموشی سے وہ انگوٹھی اسکی انگلی سے کھینچ لی اور فوراً بیت المال میں داخل کر دی بچی کا دل بھی نہ ٹوٹنے دیا اور مال کی حفاظت بھی فرمائی۔ (کنز العمال حدیث:۳۵۹۵۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک مرتبہ بیت المال کا جائزہ لیا، تو صرف ایک درہم ہی بیت المال کے اندر موجود تھا اتفاق سے حضرت عمر کا ایک بچہ ادھر سے گذر رہا تھا، حضرت ابوموسیٰ نے وہ درہم اس بچے کو دے دیا، حضرت عمر نے جب بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھا تو فرمایا: یہ درہم تمہیں کہاں سے ملا؟ بچے نے جواب دیا مجھے حضرت ابوموسیٰ نے یہ درہم دیا ہے، امیرالمومنین نے حضرت ابوموسیٰ کو بلا کر فرمایا: تمہیں مدینہ منورہ میں میرے لڑکے سے زیادہ خستہ حال کوئی اور نظر نہیں آیا تھا؟ کیا تم یہ چاہتے ہو اس درہم کے بدلے قیامت میں پوری امت کا سوال میری گردن پر آجائے؟ آپ نے وہ درہم بیت المال میں جمع کر دیا۔

(کنز العمال حدیث:۳۶۰۲۴)

آپ کی احتیاط: آپ خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی تجارت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شام کے لیے بہت کچھ اسباب تجارت بھیجنے کے لیے مال کم پڑ گیا آپ نے حضرت عبدالرحمن کے پاس بھیج کر ان سے چار ہزار درہم قرض مانگے حضرت عبدالرحمن نے قاصد کو

جواب دیا کہ عمر سے کہہ دینا کہ وہ بیت المال سے قرض لے لیں جب قاصد نے آکر آپ کو آگاہ کیا تو حضرت عمر کو یہ بات بالکل نہ بھائی۔ آپ حضرت عبدالرحمن کے پاس پہنچے اور فرمایا: آپ مجھے بیت المال سے قرض لینے کے لیے رائے اس لیے دیتے ہیں، تاکہ اگر میں واپسی سے پہلے مرجاؤں تو تم یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کردو، کہ وہ قرض امیرالمومنین نے لیا تھا لہٰذا اس کو چھوڑ دو اور پھر قیامت میں اس کے بدلے میری گرفت کی جائے (تمہارا ارادہ کچھ بھی سہی) میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے شخص سے قرض لوں، کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو وہ میرے وارثین سے قرض وصول کرلے۔ (کنزالعمال حدیث: ۳۶۰۰۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی مرض لاحق ہوگیا، اور حکیم نے دوا کے طور پر شہد تجویز کیا، آپ کے گھر شہد نہ تھا، لیکن بیت المال میں شہد موجود تھا شہد حاصل کرنے کے لیے آپ مسجد تشریف لائے ممبر پر رونق افروز ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا: اگر آپ لوگ مجھے بیت المال سے شہد لینے کی اجازت دیتے ہوں تو میں لے لوں اگر اجازت نہ دیں تو میرے لیے شہد لینا جائز نہیں، سب نے اجازت دے دی۔ (کنزالعمال حدیث: ۳۵۹۹۷)

رعایا کی نگہداشت: جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مملکت کی ہر ہر چیز سے متعلق اپنے آپ کو مکمل ذمہ دار سمجھتے تھے، اور اس بات کا آپ کو شدت سے احساس تھا کہ سب کا جواب خدا کی بارگاہ میں مجھے دینا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی رعایا کا حتی الوسعت خیال رکھتے، رعایا سے متعلق چھوٹی سی چیز بھی ان کی بے چینی و بے قراری کا سبب بن جاتی، ۱۸ھ میں جب پورے عرب کو قحط سالی نے گھیر لیا، تو حضرت عمر ایک عظیم مصیبت میں گرفتار ہوگئے تھے دیکھنے والوں کا بیان ہے ہم لوگوں کو ایسا لگنے لگا تھا اگر قحط دور نہ ہوا تو یہ قحط حضرت عمر کی موت کا سبب بن جائے گا۔ آپ کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ آپ دادعیش دیتے رہیں اور رعایا فاقہ کشی کی زندگی گزارتی رہے، آپ نے رعایا کے درد کو سمجھتے ہوئے ان کے غم میں برابر کا شریک ہونے کے لیے گوشت وغیرہ لذیذ غذائیں ترک کردیں تھیں۔

(کنزالعمال حدیث: ۳۵۸۹۵، ۳۵۸۹۴)

حضرت عمرو بن عاص والی مصر کو ایک درد بھرا خط لکھا جس میں حضرت عمر نے انہیں مدد بھیجنے پر ابھارا، حضرت عمرو نے بھی بڑا عمدہ جواب دیا، جو اس وقت کی نزاکتوں کے شایان شان تھا، کہ آپ نے غلے سے لدے اونٹوں کا ایک بڑا قافلہ مدینہ شریف بھیج دیا، جس سے مسلمانوں کو بڑی راحت میسر آئی حضرت عمر نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔(کنز العمال حدیث:۳۵۹۰۶)

اس قحط کا آپ کے دل پر ایسا گہرا صدمہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے اے مالک ومولیٰ تیرے نبی کی امت کو میرے ہاتھ سے (میرے زمانے میں) ہلاک نہ فرما، جب لوگ سو جاتے تو حضرت عمر مسجد نبوی میں حاضر ہوجاتے اور رب کی بارگاہ میں عرض کرتے اے اللہ! ہمیں سوکھے کے سالوں سے ہلاک نہ فرما، اس بلا کو ہم سے دفع فرمادے آپ بار باران کلمات کو دہراتے رہتے۔(کنز العمال حدیث:۳۵۹۰۰)

ایسا نہیں تھا کہ امیر المومنین نے صرف قحط سالی ہی میں رعایا کی خبر گیری فرمائی ہو، اور عام حالات میں اس کی طرف سے غافل رہے ہوں، نہیں اور ہر گز نہیں بلکہ آپ ہر لمحہ رعایا کے لیے فکر مند رہتے، چاہے وہ عیش وآرام، راحت وچین کے دن ہوتے یا مصیبت وآلام کے، آپ کی ایک عادت کریمہ یہ بھی تھی کہ آپ صرف سنی ہوئی باتوں پر مطمئن نہیں ہوجاتے بلکہ خود گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لیتے، رات میں رعایا کے حالات کی اصلیت جاننے کے لیے گشت کرتے، ایک مرتبہ گشت کرتے ہوئے آپ کو کچھ روشنی دکھائی دی، آپ نے اپنے خادم اسلم کو ساتھ لیا، قریب جا کر دیکھا کہ ایک عورت اپنے لیے کچھ پکا رہی ہے، اور بچے گریہ وزاری کررہے ہیں آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں گریہ کررہے ہیں؟ عورت نے جواب دیا بھوک کی وجہ سے۔آپ نے فرمایا: اس پتیلی میں کیا پک رہا ہے؟ عورت نے جواب دیا اس میں صرف پانی ہے، جس کے ذریعہ میں بچوں کو تسلی دینا چاہتی ہوں، تاکہ بچے سو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور عمر کے درمیان بہتر ہی فیصلہ فرمانے والا ہے۔آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے عمر کو تمہارے حالات کا علم نہیں ہوگا، تو عورت نے جواب دیا،

اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ ہمارے حالات سے غافل ہو کر ہمارا والی بنا رہے۔

آپ نے اسلم کو ساتھ لیا اور وہاں سے سیدھے اناج کے گودام پر تشریف لائے، اور کھانے پینے کی ضروری اشیا کو ایک بورے میں بھر کر عورت اور اس کے بچوں کے پاس چلنے کی تیاری کی، پھر اسلم سے فرمایا: اسے میری پیٹھ پر لاد دو اسلم نے عرض کیا حضور! میں اس بوجھ کو اپنے اوپر لاد لیتا ہوں آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے اوپر لادنے کے لیے ارشاد فرمایا: اور خادم نے بھی خادمانہ لہجے میں وہی عرض کیا، جو ایک باوفا خادم کو عرض کرنا چاہیے تھا: آخر میں آپ نے فرمایا: اسلم اللہ تمہارا بھلا فرمائے کیا تم قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اٹھا سکو گے؟ آخر مجبور ہو کر اسلم نے وہ بورا امیر المومنین کی پیٹھ پر لاد دیا اور دونوں بہت تیزی کے ساتھ اسی جگہ پہنچ گئے بورا اتار کر رکھا اور پھر کھانا بنانے میں مدد کی۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین کو پتیلی کے نیچے آگ پھونکتے ہوئے دیکھا، دھواں آپ کی داڑھی کے بالوں کے بیچ سے گزر رہا تھا۔ پھر جب کھانا پک چکا تو آپ نے اپنے سامنے ان سب کو کھلایا، عورت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ موجودہ امیر المومنین (عمر) سے خلافت کے زیادہ اہل ہیں آپ نے فرمایا: امیر المومنین کے حق میں دعا کرو تم امیر المومنین کے پاس جانا وہاں ان شاء اللہ مجھے موجود پاؤ گی۔ اسلم کہتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ بچوں میں نئی روح آ گئی، کھیلنے کودنے لگے، اور پھر سو گئے، امیر المومنین نے فرمایا: اسلم بھوک نے بچوں کو بیدار کر رکھا تھا، بچوں اور ماں کا بدلا ہوا حال دیکھ کر آپ خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔

(طبری ج ۲، ص: ۵۶۸)

تاج شہنشاہی کے ساتھ اگر گدائی کسی کو زیب دیتی ہے تو یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام اور سچے جانشین ہیں۔ جو ایک طرف سلطنت اسلامیہ کے والی کی حیثیت سے اغیار کی نظروں میں سطوت و شوکت کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے، باطل قوتیں ان کے سامنے مرعوب کھڑی رہتیں اور دوسری طرف غربا و مساکین، فقرا و مفلسین اور عامۃ المسلمین کے لیے ان کے بازو نہایت ہی عاجزی کے ساتھ بچھے رہتے، ان کا درد دل

تقسیم کرتے اور غم کے ماروں کی گم کردہ مسکراہٹ واپس لانے کی تگ ودو میں لگے رہتے۔ یقیناً یہ سب معلم کائنات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت ہی کا اثر ونتیجہ تھا۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ مدینہ شریف آیا، اور مدینہ شریف کی آبادی سے باہر ہی ٹھہر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ساتھ لیا، اور قافلہ کی نگہ داشت کے لیے مدینہ شریف سے باہر نکل آئے۔ جب آپ پہرا دے رہے تھے، تو آپ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی، آپ بچے کے پاس پہنچے اور بچے کی ماں کو بچہ کا خیال رکھنے اور اس کو چپ رکھنے کی نصیحت فرما کر واپس آ گئے لیکن بچہ روتا ہی رہا، بچے کی آواز آپ کو بے قرار کر رہی تھی۔ لہٰذا آپ پھر بچے کی طرف گئے، اور بچے کی ماں پر برہم ہوئے اور سخت کلمات میں اس کی مذمت فرمائی آپ کا یہ رویہ دیکھ کر عورت نے حقیقت کے رخ سے نقاب اٹھا دیا اور جواب دیا آپ مجھے بے وجہ ڈانٹ رہے ہیں؟ میں ظالمہ نہیں ہوں کہ ظلماً اپنے بچے کو تڑپا کر رلا رہی ہوں، بلکہ میں ایک مجبور عورت ہوں کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ امیر المومنین عمر اس وقت تک بچوں کا وظیفہ بیت المال سے جاری نہیں کرتے جب تک وہ بچہ دودھ پینا نہ چھوڑ دے میں وظیفہ حاصل کرنے کے لیے دودھ چھڑا رہی ہوں، اور بچہ دودھ پینے کے لیے رو رہا ہے، یہ جواب سن کر حضرت عمر نے ایک سرد آہ بھری اور آپ کی حالت دگر ہوگئی، بے قراری اور اضطراب کی حالت میں فجر کی نماز اٹکتی پھنستی اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ پڑھائی اور نماز کے بعد اعلان فرمایا: اب ہر بچے کا وظیفہ پیدا ہوتے ہی جاری ہو جائے گا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے میرے سابقہ فیصلہ سے نہ جانے کتنے بچے ہلاک ہو گئے ہوں گے پھر آپ نے اس فیصلہ کو ہر طرف لکھ کر بھیجا اور یہی قانون مملکت ٹھہرا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۹، ص: ۱۶)

بیت المال سے آپ کا وظیفہ: اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے بیت المال میں وافر مقدار میں مال جمع ہوتا تھا لیکن پھر بھی امیر المومنین اپنی ذات پر مختصر اور معین مقدار ہی صرف فرماتے جو مقدار بادشاہ وقت کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت عمر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ایک کنیز سامنے سے گزری، لوگوں نے اسے دیکھ کر کہا یہ حضرت عمر کی کنیز ہے، اس پر حضرت عمر نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ میری کنیز نہیں ہے، یہ تو بیت المال کا اثاثہ ہے، عمر کے لیے یہ جائز نہیں کہ بیت المال کی اشیا پر قبضہ کرلے، لوگوں نے حضرت عمر سے پوچھا: آپ اپنے لئے بیت المال سے کیا حلال رکھتے ہیں؟ آپ نے لوگوں کو جواب دیا میں اپنے لیے صرف دو جوڑ کپڑے، ایک گرمی کے لیے اور دوسرا سردی کے لیے، حج و عمرہ کا خرچ، اپنی اور اہل و عیال کے گزر بسر کی خوراک، متوسط درجے کی قریشی مسلمان کے اعتبار سے (نہ بہت عمدہ اور نہ ہی بہت گھٹیا) آخر میں بھی تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں (مجھے یہ حلال نہیں کہ سب سے زیادہ خرچ کروں۔(تاریخ الخلفاص:۱۰۱)

سادگی اور رحم دلی: ام المومنین حضرت حفصہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر سے عرض کیا: ابا جان! اگر آپ بہتر غذائیں استعمال فرمائیں تو جسم طاقتور اور توانا ہوگا، اور آپ امور مملکت کی زیادہ خدمت انجام دے سکیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا آپ لوگوں کی یہی رائے ہے؟ جواب دیا ہاں! آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تمہارا مشورہ خیر پر مبنی ہے، لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا جو طریقہ دیکھا ہے، میں اسی پر گامزن ہوں، اسے چھوڑ کر میں منزل نہیں پا سکتا۔

ایسے ہی ایک اور فرمائش کے جواب میں آپ نے فرمائش کرنے والے سے فرمایا: مجھے تمہارے اوپر افسوس ہو رہا ہے کہ تم مجھے دنیا میں اچھی چیز کھانے کا مشورہ دے رہے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا: آج تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہو رہی ہے آپ کا غلام اٹھا اور اونٹ لے کر مچھلی خریدنے چلا گیا آنے اور جانے کا قدرے طویل فاصلہ اونٹ کے ذریعہ طے کیا اور وہ مچھلی خرید کر لے آیا (تھکاوٹ کی وجہ سے) جانور کو نہلا دیا جب غلام نے مچھلی لا کر پیش کی تو آپ نے فرمایا: میں پہلے سواری کا حال جاننا چاہتا ہوں، آپ نے اونٹ کو جا کر دیکھا تو اس کے کان کے نیچے پسینہ بہہ رہا تھا، آپ نے فرمایا:

تم اس جگہ پر پسینہ دھونا بھول گئے، عمر کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جانور کو مشقت میں ڈالا جائے یہ عمر کو گوارہ نہیں قسم خدا کی میں یہ مچھلی نہیں کھا سکتا۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۲)

خلیفہ کا لباس: مسلمانوں کا امیر اگر چاہتا تو عمدہ سے عمدہ کپڑا زیب تن کرسکتا تھا لیکن غلامانِ مصطفےٰ کا حال سن کر اور پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان پاک بازوں کو کونسی شراب طہور پلائی تھی جس کے نشے سے سرشار یہ حضرات دنیا اور اس کی آرائشوں کو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وقت کے بادشاہ ہیں پر لباس فقیرانہ، غذائیں عامیانہ، عادتیں اور خصلتیں عاجزانہ، نہ انہیں فاخرانہ رنگ ڈھنگ سے کوئی مطلب ہے، نہ شاہانہ مزاج سے کوئی سروکار، سنت مصطفےٰ ہی ان کے ظاہر و باطن کی زیب و زینت ہے، مگر اب ان کے نقش قدم پر مر مٹنے والے راہ حق کے دیوانے کہاں؟

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر اپنے زمانۂ خلافت میں اون کا جبہ پہنتے، اور اس میں چمڑے کا پیوند لگا رہتا تھا، اسی لباس میں آپ کوچہ و بازار کا چکر لگاتے، کاندھے پر درۂ فاروقی ہوتا، جدھر سے گزرتے لوگوں کو ادب سکھاتے چلے جاتے، راہ میں اگر رسی یا کھجور کی گٹھلی پڑی نظر آجاتی تو اٹھا کر لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تاکہ لوگ اس سے مزید فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے کپڑے میں کاندھے کے پاس چار پیوند لگے ہوئے دیکھے ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۸، ص: ۳۳۲)

عاجزی وانکساری: آپ کے ساتھ سفر کرنے والے حضرات فرماتے ہیں: دوران سفر حضرت عمر کے آرام کے لیے کوئی خیمہ یا کیمپ نہیں لگایا جاتا جب کبھی کچھ دیر آرام کرنا ہوتا تو کسی درخت کی ٹہنی پر کوئی چادر یا کپڑا ڈال دیا جاتا اس کے سایہ میں آپ آرام فرماتے، حضرت عمر کثیر البکا تھے، بارگاہِ مولیٰ میں خوب آنسو بہایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں گالوں پر کالے نشان پڑ گئے تھے جو دیکھنے والے کو نمایاں نظر آتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک باغ میں گیا میں نے وہاں حضرت

عمر کی آواز سنی، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آرہے تھے، کیوں کہ میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار آڑ بنی ہوئی تھی، اس وقت وہ کہہ رہے تھے عمر کی یہ وقعت کہاں کہ وہ امیر المومنین بن سکے یہ تو اللہ کا فضل ہے۔ اے عمر اس پر اللہ سے ڈرتے رہو، ورنہ اللہ تمہیں ضرور عذاب دے گا۔ حضرت عمر کے پاس ایک دن ان کے خسر تشریف لائے اور بیت المال سے کچھ مطالبہ کیا حضرت عمر نے سخت لہجے میں انکار کرتے ہوئے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا داماد اللہ تعالیٰ سے ایک خائن بادشاہ کی حیثیت سے ملاقات کرے؟ پھر آپ نے اپنے ذاتی مال سے انہیں دس درہم عطا کیے۔

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں: حضرت عمر نے زمین پر پڑے تنکے کو ہاتھ میں اٹھا کر فرمایا: اے کاش! میں یہ تنکا ہو جاتا اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان پکڑتے اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے اور پھر گھوڑے پر سوار ہوتے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: جب حضرت عمر غصے میں ہوتے اور اس وقت کوئی انسان ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر دیتا یا قرآن پاک کی تلاوت کر دیتا تو حضرت عمر کا جلال ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ اپنا ارادہ بدل دیتے۔

حضرت بلال نے حضرت اسلم سے پوچھا کہ عمر کیسے آدمی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر لیکن اگر آپ کو غصہ آجائے تو پھر معاملہ بڑا مشکل ہو جاتا ہے اس پر حضرت بلال نے فرمایا اگر تم عمر کے پاس رہو اور ان کو غصہ آجائے تو قرآن پاک کی تلاوت کرو غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۳)

حضرتِ عائشہ کی گفتگو: ایک مرتبہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین ہیں لیکن زندگی بڑی سادی ہے، پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں، اور غذا بھی بہت معمولی استعمال فرماتے ہیں اور آپ کے دربار کا حال یہ ہے کہ عرب وعجم کے وفود آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے رہتے ہیں، اگر امیر المومنین کا پوشاک بہتر ہو، اور صبح

وشام بڑے بڑے پیالوں اور برتنوں میں کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جائے، آپ خود بھی اسے تناول فرمائیں اور جو بھی مہاجرین وانصار موجود ہوں سب اس کھانے میں شرکت فرمائیں ،اگر ایسا ہو جائے تو آنے والے سفر اپر اسکا اثر بڑا عمدہ پڑے گا،سب نے مشورہ کیا کہ حضرت علی ہم سب کی طرف سے یہ بات امیر المومنین کی بارگاہ میں رکھ دیں،لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ اس کام کی ذمہ داری امہات المومنین کو سونپی جائے وہ یہ کام بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہیں۔لوگوں نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے پورا معاملہ بیان کیا حضرت عائشہ بات کرنے کے لیے تیار ہو گئیں یہ دونوں حضرت عمر کے پاس پہنچ گئیں حضرت عائشہ نے تھوڑی تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کی عادات کریمہ اور ان کے زہد کو بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی خواہش کا ذکر کیا جب حضرت عمر نے یہ سنا کہ حضرت عائشہ بھی بہتر لباس پہننے اور اچھی غذا کھانے کی ترغیب دے رہی ہیں اور حضرت حفصہ بھی آپ کا ساتھ دے رہی ہیں تو آپ رونے لگے اور خوب دیر تک روتے رہے اور پھر آپ نے حضرت عائشہ سے پوچھا اے ام المومنین! میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھ رہا ہوں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی پندرہ دن، یا پانچ دن، یا تین دن تک لگاتار کھائی یا صبح وشام دونوں وقت کا کھانا آپ نے کبھی کھایا؟ آپ نے جواب دیا نہیں تو آپ نے پوچھا آپ کو علم ہے کہ حضور کو اگر کسی اونچی چیز پر رکھ کر کھانا پیش کیا جاتا تو سرکار اسے نیچے رکھنے کا حکم دیتے تھے؟ تو آپ نے کہا ہاں بیشک سرکار کا یہی معمول تھا،آپ نے فرمایا: آپ دونوں امہات المومنین ہو آپ کا حق سارے مسلمانوں پر ہے، خاص طریقے سے مجھ پر آپ کا حق عظیم ہے لیکن آپ دونوں مجھے دنیا کی طرف رغبت دلانے آئی ہیں، مجھے یاد ہے کہ میرے حضور اون کا جبہ پہنتے تھے، کبھی کبھی آپ کی کھال جبے کے کھردرے ہونے کی وجہ سے چھل جاتی تھی،سرکار ایک ہی کپڑے کو بچھا بھی لیتے تھے اور اسے اوڑھ بھی لیتے تھے،ہم نے دیکھا ہے کہ چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر آجاتے تھے،اے حفصہ! ایک مرتبہ تم نے نرم بستر بچھا دیا تھا اور سرکا

راذان تک سوتے رہے تھےتو سرکار تم پر برہم ہوئے اور فرمایا: مجھے دنیا اور اس کے آرام سے کیا لینا ہے۔حضور کی ذات وہ ذات ہے کہ جس کے صدقے میں اللہ تعالیٰ دوسروں کے گناہ بھی معاف فرماتا ہےلیکن ان کا معاملہ اپنے مولیٰ کے ساتھ یہ ہے بھوکے شام کرتے ہیں، سجدے میں سوجاتے ہیں، رکوع کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں، صبح وشام، دن ورات میں نہ جانے کتنی مرتبہ اپنے مولیٰ کے حضور روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اس حال میں آپ اپنے مولیٰ سے جاملے، عمر کی کیا حیثیت مجھے میرے سرکار اوران کے یار غار کے اسوہ پر عمل کر لینے دو یہی راہ نجات ہے۔(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۸، ص: ۳۲۷)

پرانی یادیں: جب کسی کو بڑا رتبہ حاصل ہوجاتا ہے، توعموماً ایسا ہوتا ہے کہ وہ ماضی کو بھول جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ مشقت وپریشانی اور مصائب وآلام کی کن کن منزلوں سے گزرا ہے، لیکن سعادت مند افراد کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ انہیں اپنا ماضی اور حال سب یاد رہتا ہے اور مستقبل کو لے کر بھی فکر مند رہتے ہیں، جب انسان پرانا وقت یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی کثرت سے کرتا ہے اور تکبر کی مہلک بیماری سے بچا رہتا ہے۔

حضرت ابن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر حج کے دوران وادی ضجنان سے گزرے اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: "**لا الٰہ الا اللہ العظیم العلی المعطی ماشاء من شاء**" اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے، اس کی ذات سب سے بلند ہے، وہ جسے جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، یہی وہ وادی ہے جہاں میں اون کا جبہ پہنے ہوئے اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، میرا باپ سخت مزاج تھا، مجھ سے اتنی محنت لیتا تھا کہ میں تھک جاتا تھا، اور اگر کبھی محنت میں کمی رہ جاتی تو میری پٹائی کرتا تھا۔ایک وہ دن تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ اللہ کے سوا آج میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔یہ کہہ کر آپ نے چند اشعار گنگنائے جن کا حاصل یہ ہے کہ سب فنا ہوجائے گا کچھ باقی نہ رہے گا، بڑے بڑے تخت وتاج والے موت سے ہمکنار ہوکر آغوش لحد میں چلے گئے۔

(تاریخ الرسل والملوک سنۃ ثلاث وعشرین ذکر بعض مارثی بہ ج ۲، ص: ۴۱۶)

اندازِ نصیحت: علامہ پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں: شام کا ایک آدمی امیر المومنین کا دوست تھا، اس کی پارسائی، تقویٰ اور دین کے لیے اسکی حمیت کے باعث آپ اس کو اپنا بھائی کہہ کر پکارتے تھے شام سے ایک آدمی آیا آپ نے اس سے اپنے دوست کی خیریت دریافت کی، اس نے بتایا کہ وہ تو تباہ ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، گانا سنتا ہے اور فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہا ہے، یہ سن کر آپ کو از حد رنج ہوا فرمایا: جب واپس جانے لگو تو مجھ سے ملتے جانا، روانگی کے وقت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اپنے کاتب کو بلایا اور فرمایا: لکھو "من عمر بن الخطاب الی فلاں سلام علیکم فانی احمد الیك اللہ الذی لا الہٗ الا ھو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہٗ الا ھو الیہ المصیر۔" ترجمہ: یہ خط عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کی طرف تم پر سلام ہو میں تیری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے، گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب والا، بڑی قدرت والا، اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔"

پھر خود بھی اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگی اور حاضرین مجلس سے بھی اس کے لیے دعا کرائی اور یہ خط اس شخص کو دیا اور فرمایا کہ یہ میرے دوست کو پہنچا دینا جب اس دوست نے خط پڑھا تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسنے لگا روتا تھا اور خط کو بار بار پڑھتا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے اطاعت وانقیاد کی زندگی بسر کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس کی توبہ کی اطلاع ملی تو آپ بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے "ھٰکذا فاصنعوا اذا رایتم اخا لکم زل زلۃ فسددوہ ووفقوہ وادعوا اللہ لہ ان یتوب علیہ ولا تکونوا اعوانا للشیطین علیہ"۔ یعنی تم بھی جب اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ راہ راست سے اس کا قدم پھسل گیا ہے، تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرو، اس کی ہدیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، اور اس

کے خلاف شیاطین کے مددگار نہ بن جاؤ۔

یعنی اگر تم اسے برا بھلا کہنا شروع کر دو گے، اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگو گے تو وہ اپنی ضد پر پکا ہو جائے گا اور اسے اپنی عزت نفس کا سوال بنا کر گمراہی میں دور نکل جائے گا۔ (ضیاء القرآن ج ۴، ص: ۲۹۱)

بادشاہ اور خلیفہ کا فرق: ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا ما الخلیفۃ من الملک؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت طلحہ اور زبیر نے کہا کہ ہم نہیں جانتے، حضرت سلمان نے عرض کیا "الخلیفۃ الذی یعدل فی الرعیۃ ویقسم بینھم بالسویۃ ویشفق علیھم شفقۃ الرجل علیٰ اھلہ ویقضیٰ بکتاب اللہ" یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے، ان میں مساوی طور پر مال تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

سلیمان بن اوجا سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم نے حاضرین سے دریافت کیا "ما ادری اخلیفۃ انا ام ملك" میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں، خلیفہ ہوں یا بادشاہ، ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین! دونوں میں بڑا فرق ہے، آپ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟ "قال: الخلیفۃ لا یأخذ الا حقا ولا یصنعہ الا فی حق وانت بحمد اللہ کذالك والملك یعسف الناس فیاخذ من ھٰذا ویعطی ھٰذا فسکت عمر" اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ کے فضل وکرم سے آپ ایسا ہی کرتے ہیں، اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے، اس کو دیتا ہے یہ سن کر حضرت فاروق اعظم خاموش ہو گئے۔

(ضیاء القرآن ج ۴، ص: ۲۳۸)

محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس درجہ محبت کرتے تھے ہمارے لیے یہ بیان کر پانا ممکن نہیں،

تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ان کے سینے میں حضور کی غیر معمولی محبت بڑی شدت سے جا گزیں تھی بلکہ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ محبت بھی حضور کے صدقے میں انہیں میسر آئی تھی۔

جیسا کہ بخاری شریف کتاب الایمان والنذور میں روایت ہے: صحابہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اور عمر آقا سے عرض کر رہے ہیں حضور! میں اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں اے عمر! تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم مجھ سے اپنی جان سے زیادہ محبت نہ کرنے لگو بس پھر کیا تھا حضرت عمر نے فوراً عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ! اب میں اپنی جان سے زیادہ آپ کی محبت اپنے دل میں محسوس کر رہا ہوں۔ سرکار نے فرمایا "الآن یا عمر" اے عمر! اب ایمان مکمل ہو گیا۔

آپ نے حدیث کے ذریعہ سمجھ لیا کہ حضرت عمر کے پہلے الفاظ جدا تھے، اور اس میں محبت کی کمی تھی اور عمر کے دوسرے جواب میں محبت کے اندر غیر معمولی اضافہ ہو گیا اس سے عاشقانِ مصطفی کو یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں، کہ اتنی جلدی یہ انقلاب کہاں سے آ گیا کیوں کہ ہر عاشق جانتا ہے کہ عمر کا ہاتھ نبی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں عمر پر متوجہ ہو گئیں اور قدرتِ خداوندی نے بروقت عمر کی صحیح رہنمائی فرمائی اور عمر دارین کی کامیابیوں سے ہم کنار ہو گئے۔

بدر، احد، حنین اور دیگر غزوات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہنا، حضور کے دشمنوں کے لیے تیغ مسلول بن جانا، حضور کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے والے کی گردن اڑا دینا، نبی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں پر میان سے تلوار باہر کر لینا، وصالِ رسول کے موقع پر عالم وارفتگی سے بے خود ہو کر کسی کی بات تک نہ سننا وغیرہ یہ محبت رسول کے جذبات ہی کے مظاہر و مناظر ہیں، جس سے تاریخ معمور ہے، اگر یہاں ان کو بقدر امکان حیطہ بیان میں لاؤں تو بات بہت طویل ہو جائے گی صرف ایک واقعہ پر عنوان کو تمام کر رہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصلحت خاصہ کے پیش نظر اپنی ازواج پر ناراضگی کا اظہار فرما کر کچھ دوری اختیار فرمائی ۔ حضرت عمر کو خبر لگی ، غلام وفادار نے تحقیق حال کے لیے حضور کی بارگاہ میں حاضری کا قصد کیا ، دولت خانہ پر حاضر ہوئے ، ملنے کی اجازت چاہی ، لیکن اجازت میں تاخیر ہوگئی ، کئی مرتبہ آپ نے دربان کے ذریعہ پیغام بھیجا لیکن کامیاب نہ ہوئے اب حضرت عمر کے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضور کی ازواج میں میری بیٹی حفصہ بھی ہیں شاید حضور اس وجہ سے مجھے اجازت مرحمت نہیں فرما رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی کی سفارش کرنے حاضر ہوا ہوں لہٰذا حضرت عمر نے حضور کے دربان حضرت رباح سے کہا اے رباح ! حضور سے میرے لیے اجازت چاہو مجھے یہ گمان ہورہا ہے کہ سرکار اس لیے اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں قسم خدا کی اگر حضور مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن ماردوں گا ۔ (فتح الباری کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ)

اپنی پیاری بیٹی کی گردن مارنے میں بھی اگر عمر کو کوئی دیری ہے تو صرف اتنی کہ حضور کے حکم کا انتظار ہے یہ حضرت عمر کی محبت کا وہ معیار ہے جو امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے ۔

کراماتِ حضرت عمر: اللہ کے ولی کی طرف سے جب کوئی خارق عادت کام انجام پائے تو اہلِ اسلام اسے کرامت کا نام دیتے ہیں ۔

کرامات انبیاے سابقین کے غلاموں سے بھی صادر ہوئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک نے اس کی شہادت پیش کی ہے ، تو پھر ہمارے نبی کے غلاموں سے کرامات کیوں کر نہ صادر ہوں گی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعدد کرامات تاریخ میں مذکور ہیں ہم یہاں اجمالاً ذکر کر رہے ہیں ۔

یا ساریۃ الجبل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ساریہ نامی شخص کو امیر لشکر بنا کر نہاوند روانہ فرمایا ساریہ لشکر کو لے کر اپنی مخصوص مہم پر روانہ ہو گئے ، کچھ دن کے بعد عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر نے ایک بے ربط جملہ ارشاد فرمایا ” یا ساریۃ الجبل “ اے ساریہ ! پہاڑ کا رخ کرو ، اس جملہ کو سن کر سامعین حیران تو ہوئے لیکن اس وقت

خاموش رہے، بعد میں کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں شروع کیں، حضرت عبد الرحمن بن عوف عمر سے بے تکلف تھے، آپ نے حضرت عمر سے پوچھا آپ نے یہ بے ربط جملہ کیوں ارشاد فرمایا تھا؟ عمر نے جواب دیا: دورانِ خطبہ میں نے دیکھا کہ مجاہدینِ اسلام جہاد کر رہے ہیں، اور ان کی توجہ اپنے سامنے کی طرف ہے، حالاں کہ دشمن پیچھے سے بھی حملہ آور ہونے والا تھا، یہ دیکھ کر میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا، اور بے اختیار میں نے یہ جملہ کہا تا کہ مجاہدین پہاڑ کی طرف بھی رخ کریں۔ کچھ دن کے بعد حضرت ساریہ کا قاصد آیا اور اس نے آکر بتایا کہ ہم جنگ میں مصروف تھے، اور پہاڑ کی طرف ہماری توجہ نہ تھی، پیچھے سے دشمن ہم پر حملہ آور ہونے ہی والا تھا کہ ہم نے ایک آواز سنی "یا ساریۃ الجبل" دوسری روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر کی آواز سنی، پس ہم پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، اس قاصد کی بات سن کر جب لوگوں نے حساب لگایا تو یہ وہی دن، وہی تاریخ، وہی وقت تھا جب حضرت عمر نے آواز لگائی تھی۔

(جامع الحدیث للسیوطی قسم الافعال مسند عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور نیل بہ پڑا: جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر فتح کیا، تو ایک دن لوگوں کا ازدہام حضرت عمرو بن عاص کے پاس آیا، لوگوں نے حضرت عمرو سے کہا: اے ہمارے امیر! یہ دریائے نیل ایک خاص کام انجام دینے پر جاری ہوتا ہے (اگر کام نہ کیا جائے تو یہ خشک ہو جائے گا) آپ نے فرمایا: وہ کون سا عمل ہے جس کو کرنے سے دریائے نیل جاری ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا: جب اس مہینہ کی بارہ تاریخ ہو جاتی ہے، ہم ایک کنواری لڑکی اس کے والدین کی رضامندی سے لیتے ہیں، اسے زیورات اور عمدہ پوشاک میں ملبوس کرکے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور دریا جاری ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرو نے فرمایا: اسلام اس لیے آیا ہے کہ تمام غیر شرعی امور کا قلع قمع کر دے، حضرت عمرو نے انہیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت نہیں دی (اللہ کی قدرت) دریائے نیل مکمل طور پر سوکھ گیا، لوگ پریشان ہو گئے، پریشانی یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے مصر چھوڑنے کا قصد کر لیا اب حضرت عمرو بن عاص نے

صورتِ حال کی نزاکت سے امیر المومنین کو خبردار کیا، حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو جوابی خط تحریر فرمایا: اے عمرو بن عاص! تم نے صحیح جواب دیا بیشک اسلام اس جیسی سبھی خرافات کو ڈھانے کے لیے ہی آیا ہے، میں تمہارے جوابی خط کے ساتھ ایک اور رقعہ بھیج رہا ہوں، تم اسے دریائے نیل میں ڈال دینا، جب یہ خط حضرت عمرو بن عاص کو ملا، پڑھ کر دیکھا تو اس رقعہ میں لکھا ہوا تھا: اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوتا ہے تو جاری مت ہونا، اور اگر تو اللہ واحدِ قہار کی طرف سے جاری ہوتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے جاری فرمادے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر کے تحریر کردہ خط کو دریائے نیل میں ڈال دیا، ادھر اہل مصر مصر چھوڑنے کی تیاری کر چکے تھے، کیوں کہ مصر میں بغیر نیل کے ان کا کام نہیں بن پا رہا تھا، جب مصر والوں نے صبح دیکھا، تو دریائے نیل جاری ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے سے سولہ گز زیادہ اونچا جاری فرمادیا تھا لہٰذا حضرت عمر کی اس کرامت سے اس برے رواج کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۱، کنز العمال حدیث: ۳۵۷۵۹)

اولیاتِ عمر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری زندگی اعلاء کلمۃ الحق کے لیے صرف کر دی، خلیفہ بننے کے بعد ان کی پوری توانائیاں اسی بات پر صرف ہوتیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح ونجاح کے کیا طریقے ہوں گے اپنی ذات کے لیے کچھ نہ سوچا، لیکن مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی برتری، لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے منصوبے زندگی بھر بناتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ بہت ساری چیزیں ان کے دور میں ایسی وجود میں آئیں جو اس سے پہلے نہ تھیں۔ لیکن ان تمام کاموں کی اساس اصول شریعت ہی پر قائم تھی۔ آپ کی اولیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلے آپ کو امیر المومنین کہا گیا (۲) آپ ہی نے اسلامی تاریخ ہجری کی ابتدا کی (۳) بیت المال کا قیام (۴) رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کا قیام (۵) راتوں میں گشت (۶) مذمت کرنے پر سزا (۷) شارب خمر کو اسّی کوڑوں کی سزا

(۸) حرمت متعہ کو عام کرنا (۹) ام ولد کی بیع کی ممانعت (۱۰) نماز جنازہ میں چار تکبیرات پر لوگوں کی جمعیت کا قیام (۱۱) ریکارڈ کی حفاظت کا انتظام (۱۲) نئی نئی فتوحات کا راستہ ہموار کرنا (۱۳) مصر سے بحر ایلیا کے ذریعہ غلہ کا مدینہ شریف پہنچانے کا انتظام (۱۴) صدقہ کا مال اسلامی امور میں خرچ کرنے پر پابندی (۱۵) احکام وراثت کا سختی کے ساتھ نفاذ (۱۶) گھوڑوں پر زکاۃ کی وصولیابی (۱۷) وعائیہ جملہ اطال اللہ بقائک وایدک اللہ کا رواج (۱۸) اپنے ساتھ درہ رکھنا، آپ کے درہ کے بارے میں مقولہ مشہور ہے کہ حضرت عمر کا درہ تلوار سے زیادہ مہیب تھا (۱۹) شہروں میں قاضیوں کی تقرری، کوفہ، بصرہ، جزیرہ، شام، مصر اور موصل جیسے شہروں کا قیام (۲۰) مساجد میں روشنی کا انتظام۔ حضرت علی نے مسجدوں کی روشنی دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو ایسے ہی روشن رکھے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا ہے (۲۱) گیہوں، آٹا، کھجور وغیر رکھنے کے لیے گودام کا انتظام (۲۲) مکہ شریف اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کے لیے آسانی کے ساز و سامان (۲۳) مسجد نبوی کی توسیع اور اس میں ٹاٹ کا فرش (۲۴) یہود کو حجاز سے شام کی طرف جلاوطن کیا (۲۵) اہل نجران کو کوفہ منتقل کیا (۲۶) مقام ابراہیم کو موجودہ جگہ پر نصب کیا، پہلے وہ کعبہ شریف سے ملا ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۹)

امیر المومنین کہنے کا آغاز: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو خلیفۂ رسول اللہ لکھتے تھے۔ جب حضرت عمر کا دور آیا تو آپ نے اپنے لیے خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ (رسول اللہ کے خلیفہ کا خلیفہ) یہ لقب تحریر اور تلفظ کے اعتبار سے قدرے طویل تھا، اسی درمیان حضرت عمر نے عراق سے دو لوگوں کو طلب کیا، عراق کے گورنر نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو مدینہ شریف روانہ کیا، یہ لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور ان کی ملاقات پہلے عمرو بن عاص سے ہوئی دونوں عراقیوں نے عمرو بن عاص سے کہا: ہم امیر المومنین سے ملنا چاہتے ہیں، یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا: خدا کی قسم! تم نے ان کو بہت ہی اچھا لقب دیا ہے، فوراً حضرت عمرو بن عاص حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے

اور جا کر عرض کیا ''السلام علیکم یا امیر المومنین''، حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا: میرا یہ لقب تمہیں کہاں سے حاصل ہوا، حضرت عمرو بن عاص نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم سب مومن ہیں، اور آپ ہمارے امیر، لہٰذا امیر المومنین کیا خوب لقب ہے، اس دن سے یہی لقب تحریر ہونے لگا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۹)

والیہ المصیر: ہر چڑھتے سورج کو غروب ہونا ہے، ہر کھلتے پھول کا مقدر مرجھانا ہے، غنچہ وگل کی جوانی جانا ہے، ہر جان دار کو بے جان ہونا ہے، جو بنا ہے وہ فنا ہے، ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، یہ محسوس ومشاہد، نظام کائنات ہے اور یہی وعدۂ خداوندی ہے جو آغازِ آفرینش سے آج تک جاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موت موت میں بون بعید ہے، کافر سے مومن کی موت جدا ہے، عام مومن سے متقی کی موت جدا ہے، عام متقین سے اللہ والوں کا انتقال جدا ہے، اور پھر انبیا کے وصال کی تو شان ہی الگ ہے۔

وہ عمر جس نے پوری جوانی اسلام کی خدمت میں لگادی، اعدائے دین خصوصاً یہود ونصاریٰ پر پے در پے حملہ کر کے ان کی قوت کو ریزہ ریزہ کر کے دھول میں ملا دیا، ایک جہان پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا، دنیا والوں پر اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بٹھادی، اغیار کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف پیدا کر دیا، ان کی عمر اب تقریباً ساٹھ سال ہو چکی ہے، عمر نے عمر پر رنگ جمانا شروع کر دیا، اب اعضاو جوارح میں پہلے جیسی چستی اور توانائی دکھائی نہیں دیتی، منٰی سے واپسی کا وقت ہے اور اللہ پاک سے دست بدعا ہیں۔

منٰی سے واپسی اور آپ کی دعا: حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب منٰی سے ابطح کی طرف لوٹ رہے تھے تو راستے میں آپ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا، اور اپنی پیٹھ اس سے ٹیکی، ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا ''اللھم کبرت سنی وضعفت قوتی، وانتشرت رعیتی فاقبضنی الیك غیر مضیع ولا مفرط،، اے اللہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا، بدن کمزور ہو گیا، رعایا خوب پھیل گئی لہٰذا مولا! اس سے پہلے کہ میں ناکارہ بنوں، میری عقل میں نسیان کا فطور پیدا ہو، مجھے اپنی بارگاہ میں

بلا لے، آپ کی یہ دعا قبول ہوئی ذی الحجہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔

(الریاض النضرۃ ج ۲، ص: ۳۴۶، تاریخ الخلفاص: ۱۰۵)

موت کی دعا کرنا جائز نہیں پھر حضرت عمر نے کیسے اپنے لیے یہ دعا کی۔ ہم اپنے قارئین کو بتاتے چلیں کہ دنیا کی سختی یا تکلیف کی وجہ سے موت کی دعا کرنا جائز نہیں، اور حضرت عمر نے اس لیے دعا نہیں کی بلکہ انہوں نے رب کی ملاقات اور دین کی سلامتی کے لیے دعا کی اور یہ دعا جائز ہے۔

دعاے دیگر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اور دعا بھی پڑھتے چلیں، آپ دعا کرتے تھے۔ "اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك، اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے حبیب کے شہر میں موت نصیب فرما۔

(صحیح البخاری کتاب الحج ابواب فضائل مدینہ)

شارح بخاری علیہ الرحمہ اس دعا پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے رسول کے شہر میں وفات عطا فرما، اس وقت اسلام کی شان وشوکت اوج ثریا سے ہمکنار تھی، غازیان اسلام ہندوچین اور افریقہ کی سرحدیں پار کر چکے تھے، مدینہ طیبہ میں کسی جہاد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بظاہر اس دعا کا قبول ہونا متعذر تھا مگر دنیا نے دیکھا کہ ایک اللہ کے محبوب بندے کی دعا کس طرح قبول ہوئی۔ (نزھۃ القاری ج ۴، ص: ۱۵۲)

آپ نے مدینہ منورہ کے فضائل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سن رکھے تھے اس لیے آپ مدینہ شریف ہی میں مرنے کی دعا کرتے تھے۔ اسی لیے غلاموں کا آج بھی یہی طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے ؎

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اپنی موت کی خبر دینا: حضرت معدان بن ابی طلحہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورانِ خطبہ فرمایا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے میرے ایک دو چونچ ماری ہیں لہٰذا میں اسکی تعبیر سمجھ رہا ہوں کہ میری موت اب قریب آ گئی ہے۔ (اسد الغابہ، تذکرۃ عمر بن خطاب، تاریخ الخلفاص: ۱۰۵، مختصر تاریخ دمشق، مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوم، تاریخ الاسلام للذہبی، تاریخ مدینہ، تاریخ کبیر، تہذیب الکمال)

ابوموسیٰ اشعری نے بھی خبر دی: حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لوگوں سے بیان کیا: میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی اور پاس ہی میں حضرت ابوبکر بھی تھے، اور حضور حضرت عمر کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ وہ بھی آ جائیں میں نے یہ دیکھ کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ خدا کی قسم! اب امیر المومنین کا وصال یقینی ہے، سننے والوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا آپ یہ خبر حضرت عمر کو کیوں نہیں پہنچا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں انہیں ان کی موت کی خبر نہیں دینا چاہتا۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۳۵۵)

حضرت کعب احبار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ تین دن کے بعد انتقال فرما جائیں گے، اور تین دن بعد ہی آپ پر حملہ کر دیا گیا، جب کعب احبار دیکھنے والوں کے ساتھ حضرت عمر سے ملے تو آپ نے فرمایا: کعب کی بات سچی ہوئی، لیکن مجھے موت سے ڈر نہیں، مجھے فقط گناہوں سے ڈر لگتا ہے۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۳۵۵)

شہادت کا سبب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی بھی باہر کے رہنے والے بالغ غلام کو مدینہ شریف میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن عامل مدینہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مسلمانان مدینہ کی خیر خواہی کے لیے امیر المومنین کو لکھا کہ کوفہ میں کئی پیشوں کا ماہر ایک لڑکا موجود ہے، جو لوہاری، بڑھئی گیری اور نقاشی کا کام جانتا ہے، اگر اجازت ہو تو مدینہ بھیج دوں تاکہ مسلمانوں کے کام آ سکے، حضرت عمر کو مغیرہ بن شعبہ کی پیش کش پسند آئی اور آپ نے اس لڑکے کو مدینہ شریف بلا لیا، حضرت مغیرہ نے کوفہ میں اس پر سو درہم ماہانہ ٹیکس لگا رکھا تھا، ایک دن اس نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ

پر زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے، آپ نے فرمایا: سو درہم ماہانہ زیادہ نہیں ہے، وہ لڑکا حضرت عمر کے جواب سے ناراض ہو کر آگ بگولہ ہو کر واپس آ گیا، پھر ایک دن حضرت عمر نے اس کو بلوایا اور فرمایا: تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم ہوا سے چلنے والی ایک چکی تیار کرو گے، لڑکے نے منہ پچکاتے ہوئے جواب دیا میں آپ کے لیے ایسی چکی تیار کروں گا کہ پھر لوگ اسے بھولیں گے نہیں، اس کے جانے کے بعد حضرت عمر نے لوگوں سے فرمایا: یہ لڑکا مجھے دھمکی دے کر گیا ہے، اس لڑکے کا نام فیروز اور کنیت ابولولؤ تھی (اور یہ غیر مسلم تھا۔ (تاریخ الخلفا ص:۱۰۶)

تنبیہ: ہمارے پیش کردہ شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی موت کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا، ان کے سوا دوسرے لوگوں (جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری، کعب احبار) کو بھی علم ہو چکا تھا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے علم کا یہ عالم ہے تو حضو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی کیا شان ہوگی۔

ہم نے جن مصنفین کے حوالے سے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے ان میں الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ کے مصنف علامہ احمد بن عبداللہ طبری شیخ حرم کی پیدائش ۶۱۵ ہجری میں ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی ۸۴۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان حضرات کا اپنی کتابوں میں ان باتوں کو تقریباً ۸۰۰ یا ۶۰۰ سو سال پہلے درج کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ پہلے کے مسلمانوں کا یہی عقیدہ تھا جو عقیدہ آج اہل سنت و جماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والوں کا ہے-فالحمد للہ علی ذالك

شہادت کا بیان: شہادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیات ہم بخاری شریف کی حدیث سے بیان کر رہے ہیں:

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے زخمی ہونے سے چند دن پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں دیکھا کہ وہ حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف کے پاس کھڑے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ (عراق کی زمین کا بندوبست تم لوگوں نے کیسے کیا)۔ کیا تم دونوں کو اس کا احساس ہے کہ زمین پر طاقت سے زیادہ تم لوگوں

نے محصول لگا دیا ہے، ان دونوں نے کہا: ہم نے زمین کی طاقت بھر ہی محصول لگا یا ہے اور ہم نے زیادہ نہیں بڑھایا ہے، فرمایا: غور کرلو! کہیں طاقت سے زیادہ تو نہیں لاد دیا ہے، ان دونوں نے کہا: نہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر اللہ نے مجھ کو سلامت رکھا تو عراق کی بیوگان کو اتنا فارغ البال کردوں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، عمرو بن میمون نے کہا: اس کے بعد چار دن بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ زخمی کردیے گئے، جس صبح کو زخمی کیے گئے، میں یوں کھڑا تھا کہ میرے اور حضرت عمر کے درمیان سوائے حضرت عبداللہ بن عباس کے کوئی اور نہیں تھا۔

ان کی عادت تھی کہ جب دوصفوں کے درمیان سے گزرتے تو کہتے صفیں درست کرلو، جب دیکھ لیتے کہ صفوں میں کوئی خلل نہیں، تو آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے اور اکثر پہلی رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا اس کے مثل پڑھتے تاکہ لوگ جمع ہوجائیں۔ اس دن اتنا ہی ہوا کہ انہوں نے تکبیر کہی کہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا مجھے مار ڈالا یا مجھے کتے نے کھالیا، کافر دودھاری چھری لے کر تیزی سے بھاگا، جس کے پاس دائیں بائیں پہنچتا زخمی کردیتا یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کردیا جن میں سے سات مر گئے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دیکھا تو اس پر اپنا کمبل پھینکا، کافر نے جب گمان کرلیا کہ وہ پکڑا جائے گا، تو اپنے آپ کو ذبح کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے کردیا، جو حضرت عمر کے قریب تھا اس نے وہ دیکھا جو میں نے دیکھا لیکن مسجد کے کنارے والوں کو کچھ نہیں معلوم ہوا سوائے اس کے کہ انہوں نے حضرت عمر کی آواز نہیں سنی تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگے، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے انہیں مختصر نماز پڑھائی۔

جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے کہا: ابن عباس! دیکھو مجھے کس نے قتل کیا، وہ تھوڑی دیر ادھر ادھر گھومے پھر آئے اور بتایا: مغیرہ کے غلام نے، پوچھا کاری گر نے؟ ابن عباس نے کہا ہاں۔ فرمایا: اللہ اسے مار ڈالے، میں نے اسے اچھا ہی حکم دیا تھا، اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میری موت ایسے شخص کے ہاتھ پر نہیں رکھی جو اسلام کا

دعویٰ کرتا ہو تم اور تمہارے باپ پسند کرتے کہ مدینہ میں مجوسی بکثرت رہیں اور عباس کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے۔ ابن عباس نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں کر دوں یعنی آپ چاہیں تو میں ان کو قتل کر دوں، حضرت عمر نے کہا: اس کے بعد کہ انہوں نے ہمارا کلمہ پڑھ لیا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی، ہماری طرح حج کر لیا، یہ غلط بات ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر اٹھا کر اپنے گھر لائے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا اور لوگوں کا حال یہ تھا کہ گویا ان کو اس سے پہلے کوئی مصیبت ہی نہیں پہنچی ہے، کوئی کہتا ہے کہ کوئی حرج نہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے مجھے اندیشہ ہے (موت کا) پھر حضرت عمر کو نبیذ پلائی گئی جو پیٹ کے زخم سے باہر نکل آئی، پھر دودھ پلایا گیا وہ بھی نکل آیا، اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ بچیں گے نہیں۔ اب ہم لوگ اندر گئے لوگ آتے ان کی تعریف کرتے، ایک جوان آیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے بشارت ہو، آپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت اور اسلام میں سبقت نصیب ہوئی جو آپ جانتے ہیں، پھر آپ والی بنائے گئے تو آپ نے انصاف کیا، پھر شہادت نصیب ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ یہ سب برابر سرابر ہو جائے۔ جب وہ جوان مڑے تو حضرت عمر نے دیکھا کہ اس کا تہبند زمین کو چھو رہا ہے فرمایا: بچے کو واپس بلاؤ، جب وہ آ گیا تو فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اٹھا لے، یہ تیرے کپڑے کو زیادہ صاف رکھے گا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک پرہیز گاری کی بات ہے، پھر اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! مجھ پر کتنا قرض ہے؟ اسے دیکھو! لوگوں نے حساب لگایا تو تراسی ہزار یا کچھ کم وبیش۔ فرمایا: اگر آلِ عمر کے مال سے پورا ہو جائے تو ان کے مالوں سے ادا کر دو ورنہ بنی عدی بن کعب سے کہو اور ان کے مالوں سے بھی نہ پورا ہو تو قریش سے کہو ان کے علاوہ اور کسی سے مت کہنا، میرا یہ قرض ادا کر دینا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں جاؤ ان سے عرض کرو عمر آپ کو سلام کہتا ہے، امیر المومنین مت کہنا اس لیے کہ آج میں امیر المومنین نہیں،

اوران سے عرض کرنا اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمر دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔
عبداللہ گئے، ام المومنین کو سلام عرض کیا، پھر اجازت طلب کی پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ بیٹھی رو رہی تھیں عبداللہ نے عرض کیا: عمر بن خطاب آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا: میں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن آج انہیں اپنے اوپر ترجیح دے رہی ہوں۔

جب وہ وہاں سے واپس آکر سامنے آگئے تو کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر واپس آگئے۔ فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھاؤ تو ایک شخص نے انہیں سہارا دے کر بٹھایا، پوچھا کیا خبر ہے عرض کیا: وہی جو آپ پسند کرتے تھے یا امیر المومنین! ام المومنین نے اجازت دے دی۔ فرمایا: اللہ کا شکر ہے میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں تھی پھر جب میری روح قبض کرلی جائے تو مجھے اٹھا کر وہاں لے جانا پھر تم سلام کہنا پھر عرض کرنا عمر بن خطاب اجازت طلب کر رہا ہے اگر ام المومنین پھر اجازت دے دیں تو مجھے ان کے حجرے میں داخل کرنا اور اگر درخواست مسترد فرمادیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردینا۔

ام المومنین حضرت حفصہ آئیں اور ان کے ساتھ بہت سی عورتیں تھیں، ہم نے جب ان کو دیکھا تو وہاں سے اٹھ آئے ام المومنین اندر گئیں اور تھوڑی دیر وہاں روئیں اب مردوں نے اجازت طلب کی تو ام المومنین اندر چلی گئیں تاکہ آنے والوں کے لیے جگہ ہو جائے۔ ہم نے اندر سے ان کے رونے کی آواز سنی۔ اب حاضرین نے عرض کیا اے امیر المومنین! وصیت فرمادیجیے، کسی کو خلیفہ بنادیجیے۔ فرمایا: اس چیز کا حقدار ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا جن سے راضی رہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمن بن عوف کا نام لیا اور فرمایا: تمہارے مشورہ میں عبداللہ بن عمر شریک رہے گا مگر خلافت کا حق اس کو نہیں جیسے ان کی تسلی کے لیے فرمارہے ہوں، اب اگر حکومت سعد کو ملے تو وہ اس کے اہل ہیں ورنہ تم میں سے جو بھی امیر بنایا جائے وہ ان سے مدد لے۔ اس لیے کہ ان کو میں نے عاجز ہونے اور خیانت کی وجہ سے معزول نہیں

کیا اور اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے حق کو پہچانے اور ان کی عزت کا پاس کرے اور میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کہ جنہوں نے مہاجرین سے پہلے اس شہر میں ایمان اور گھر بنالیا تھا کہ ان کے احسان کرنے والوں کو قبول کیا جائے اور لغزش کرنے والوں کو معاف کردیا جائے۔

میں تمام شہر کے باشندوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ لوگ اسلام کے مددگار اور مال حاصل کرنے والے ہیں اور دشمن کی جلن ہیں اور یہ کہ ان سے نہ لیا جائے مگر ان کا فاضل مال وہ بھی ان کی رضامندی سے اور اسے دیہاتیوں کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ عرب کی اصل اور اسلام کے مادہ ہیں اور ان سے معمولی مال لیے جائیں اور ان کے محتاجوں پر لوٹا یا جائے اور اسے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمہ کے بارے میں کہ ان کے ساتھ جو عہد ہو اس کو پورا کیا جائے ان کی حفاظت میں لڑا جائے اور طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ہم انہیں لے کر پیدل چلتے ہوئے نکلے، عبداللہ بن عمر نے ام المومنین کو سلام کیا اور عرض کیا عمر بن خطاب اجازت طلب کر رہا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا: انہیں اندر لاؤ اب انہیں اندر لے گئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکھے گئے۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)

ام المومنین کے دل میں عمر کی عظمت:

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

کتاب الاعتصام (بخاری) میں حضرت عروہ کی حدیث میں ہے بہت سے صحابہ کرام نے حجرۂ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی مگر کسی کو اجازت نہیں ملی، جب حضرت عمر فاروق اعظم کا پیغام پہنچا تو بلا توقف اجازت مرحمت فرمادی۔ اور (ام المومنین) نے وہ ارشاد فرمایا: جو حدیث میں مذکور ہے کہ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں اس سے ظاہر ہو گیا کہ ام المومنین کے قلب میں حضرت عمر کی کتنی عظمت تھی، ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ

حضرت عمر ام المومنین کا ادب ملحوظ فرماتے تھے، ان کے قلب نازک پر ادنیٰ سا دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے یہ بھی وصیت فرمادی کہ غسل وکفن کے بعد درِ اقدس پر حاضر ہوکر دوبارہ اجازت کی درخواست پیش کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ حیات ظاہری میں دباؤ محسوس کر کے اجازت دی ہو، اپنے حجرے میں دفن کی اجازت حضرت ام المومنین کا اتنا بڑا ایثار ہے کہ جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ (نزہۃ القاری ج ۴، ص: ۱۵۰ تا ۱۵۲)

شوریٰ کا انتخاب اور بیٹے کو خلیفہ بنانے سے دوری: لوگوں کی خواہش پر خلیفہ چننے کا اختیار حدیث میں ذکر لوگوں کو دیا کہ وہ انہیں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں، اور اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں فرمایا: یہ صرف مشورہ میں شریک رہیں گے خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، مشورہ میں شریک کرنا ان کی خاطر داری کے لیے تھا۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عبداللہ کو خلیفہ بنانے کے بارے میں کہا: تو آپ نے کہنے والے کو سختی سے ڈانٹ دیا، عشرہ مبشرہ میں اس وقت سعید بن زید بقید حیات تھے لیکن آپ نے ان کو مشورہ میں شامل نہیں فرمایا کیوں کہ وہ حضرت عمر کے قریبی رشتہ دار تھے۔

(فتح الباری کتاب المناقب مناقب عثمان)

تاریخِ وفات: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۲۶/ ذی الحجہ بدھ کے دن ۲۳ھ میں زخمی کیا گیا، یکم محرم الحرام چاندرات کی صبح آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کی وفات دوسرے قول کے مطابق ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ وصال کے سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں لیکن علامہ ابن اثیر نے پہلے کو صحیح قرار دیا ہے۔ مدت خلافت دس سال پانچ ماہ اکیس دن ہے۔ اور آپ کی عمر مبارکہ تریسٹھ سال ہوئی۔ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری عمر کے مطابق ہے) آپ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک پہلوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں دفن کیا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۴۔ ص: ۱۶۶)

وصال کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تخت پر رکھا گیا، آپ کے

صاحبزادے حضرت عبداللہ نے آپ کو غسل دیا۔عبداللہ بن عمر،عثمان بن عفان۔سعید بن زید،اور عبدالرحمن بن عوف نے آپ کو قبر میں اتارا۔(اسد الغابہ ج ۴،ص:۱۶۶)

بعدِ وصال حضرت عمر کا جسم نظر آنا: تقریباً تریسٹھ سال دنیا میں رہ کر شجاعت وبسالت اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا،مگر آغوشِ لحد نے اسے خدائے تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اپنے اندر محفوظ کر لیا،ان کے جسم نازنین کو مٹی متغیر نہ کر سکی،یہی حال ہوتا ہے اولیاء اللہ کا،اور انبیاے کرام کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ہشام اپنے باپ حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں:
ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب حجرہ عائشہ کی (شرقی) دیوار گر گئی،لوگوں نے اس کی تعمیر شروع کی تو ایک قدم ظاہر ہوا اس پر لوگ گھبرا گئے،لوگوں نے یہ گمان کیا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم ہے۔کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس بارے میں جانتا ہو یہاں تک کہ حضرت عروہ (جو جانتے تھے) نے کہا خدا کی قسم یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم نہیں ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ولید کا زمانۂ خلافت ۸۶ھ سے شروع ہو کر ۹۶ھ پر ختم ہوتا ہے اور حضرت عمر کا وصال ۲۳ھ میں ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقریباً ۷۰ رسال بعد بھی زمین آپ کے قدم ناز میں بھی تغیر نہ کر سکی۔

حضرت عائشہ کی گواہی کہ عمر زندہ ہیں: جب تک حجرہ عائشہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آرام فرماتے تھے تب تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجاب کا وہی معاملہ رکھتی تھیں جو اپنے شوہر یا باپ کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مدفون ہوئے تو معاملہ بدل گیا۔علامہ ابن حجر نے ابن سعد سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے"لم اضع ثیابی منذ دفن عمر فی بیتی"،جب سے حضرت عمر کو میرے گھر میں دفن کیا گیا میں نے اضافی کپڑے (ڈوپٹہ

وغیرہ) نہیں اتارے۔ (کیوں کہ حضرت عمر آپ کے محارم سے نہیں تھے)

(فتح الباری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان رضی اللہ عنہ)

ام المومنین کے اس عمل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ حضرت عمر کو زندہ جانتی اور مانتی تھیں تبھی تو ان کی تربت کے نزدیک حجاب کا مکمل لحاظ فرماتی تھیں۔ الحمد للہ یہی عقیدہ اہل سنت وجماعت (مسلک اعلیٰ حضرت) کا ہے۔

یہ تھے فارق حق و باطل، امام الھدیٰ، تیغ مسلول شدت، ہم زبان نبی، اور ترجمان نبی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخشندہ سیرت کے چند نمونے جو آج تک امت مسلمہ کے لیے منارہ نور ہیں اور صبح قیامت تک نسل انسانی کے لیے ضیا پاشی کرتے رہیں گے۔

قادر و قیوم مولیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین حضرات کی غلامی نصیب فرمائے۔ (آمین)

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارق حق و باطل امام الھدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمان نبی ہم زبان نبی
جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★